ماہنامہ جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - September 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 9 ......ستمبر 2016..... قیمت 5 روپے

30 اگست 2016: ایچ آر سی پی نے ''جبری گمشدگی کے متاثرین کے عالمی دن'' کے موقع پر ملک کے مختلف حصوں میں پُرامن احتجاجی ریلیوں اور مظاہروں کا اہتمام کیا جن میں جبری گمشدگی کے متاثرین اور ان کے اہل خانہ سے اظہار یکجہتی کیا گیا اور ریاست سے جبری گمشدگیوں کے سلسلے کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا

20 جولائی 2016، کراچی: ایچ آر سی پی نے ''مقامی حکومت کے قانون اور ترامیم کے اثرات'' پر تربیتی ورکشاپ منعقد کی

21 جولائی 2016، کراچی: ''مقامی حکومت کے معاملات میں خواتین کی شمولیت کی حوصلہ افزائی'' کے عنوان سے ایک روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا

27 جولائی 2016، پشاور: ''مقامی حکومت کے معاملات میں خواتین کی شمولیت کی حوصلہ افزائی'' کے عنوان سے ایک روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا

29 جولائی 2016، کوئٹہ: ''مقامی حکومت کے معاملات میں خواتین کی شمولیت کی حوصلہ افزائی'' کے عنوان سے ایک روزہ تربیتی ورکشاپ منعقد کی گئی

فہرست

ایچ آر سی پی کی جاری کردہ پریس ریلیز 5

گمشدگیاں اب بھی سب سے اہم مسئلہ ہے 8

رہائی پا کر اپنے گھروں کو لوٹنے والے لوگ انتہائی خوفزدہ تھے 9

مقامی حکومتوں کے قوانین کا تجزیہ اور ترامیم کے اثرات 10

مقامی حکومتوں میں خواتین کی شرکت کی حوصلہ افزائی 12

کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہئے؟ 13

بلوچستان میں سی پی ای سی کو مقامی ملکیت قرار دینے کا مطالبہ 18

گوادر 19

خودکشی کے واقعات 20

قانون سازی سے بچنے کا طریقہ 26

گھروں سے بھاگنے والے بچے 28

انتہاپسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لئے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس 29

دہشت گردی کی اساس 39

بچے 41

عورتیں 42

صحت 44

قانون نافذ کرنے والے ادارے 45

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا 47

جنسی تشدد کے واقعات 47

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط 52

جنوبی ایشیائی ریاستوں کو جبری گمشدگی کو جرم قرار دینا چاہیے

عالمی کمیشن برائے ماہرین قانون (آئی سی جے) اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے جبری گمشدگی کے متاثرین کے عالمی دن پر ایک کانفرنس منعقد کی جس میں بنگلہ دیش، ہندوستان، نیپال، پاکستان اور سری لنکا سے وکلاء اور کارکنوں نے شرکت کی جن کا کہنا تھا کہ جنوبی ایشیاء میں وسیع پیمانے پر ہونے والی جبری گمشدگیوں پر صرف اس صورت میں قابو پایا جا سکتا ہے کہ خطے کی حکومتیں انسانی حقوق کی اس سنگین خلاف ورزی کو فوری طور پر جرم قرار دیں۔

جنوبی ایشیا دنیا کے ان خطوں میں شامل ہے جہاں جبری گمشدگی کے مبینہ متاثرین کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ سری لنکا، نیپال، پاکستان اور ہندوستان میں ایسے ہزاروں واقعات قلمبند کئے گئے ہیں اور بنگلہ دیش میں 2009 سے جبری گمشدگی کے واقعات میں شدت آئی ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سیکرٹری جنرل آئی اے رحمان نے کہا کہ ''سری لنکا کی جانب سے جبری گمشدگی کے میثاق کی توثیق اور اس عمل کو جرم قرار دینے کا عہد خوش آئند امر ہے۔ خطے کی دیگر ریاستوں کو اس اقدام کی پیروی کرنی چاہئے اور ملکی قانون میں جبری گمشدگی کو خاص جرم قرار دے کر انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے اپنی سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے''۔

بین الاقوامی قانون کے تحت، اگر ریاستی اہلکاروں کی طرف سے ریاست کی اجازت، حمایت یا خاموش رضامندی سے کارروائی کرنے والے افراد کی طرف سے کسی کو گرفتار، اغواء یا حراست میں لیا جاتا ہے اور بعدازاں حراست سے انکار سے کیا جاتا ہے یا ''گمشدہ'' فرد کی حالت یا مقام کو چھپایا جاتا ہے جس کے سبب وہ فرد قانون کے تحفظ کے دائرہ کار سے باہر چلا جاتا ہے، تو یہ کارروائی جبری گمشدگی کے زمرے میں آتی ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے جبری گمشدگی کو متعدد بار ''انسانی وقار کے خلاف جرم'' قرار دیا ہے۔

اس وقت جنوبی ایشیاء کی کسی بھی ریاست میں جبری گمشدگی کو ایک اور باقاعدہ جرم تصور نہیں کیا جاتا جو کہ مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں ایک بنیادی رکاوٹ ہے۔

جبری گمشدگی پر قانونی ڈھانچے کی عدم موجودگی میں، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی طرف سے غیر تسلیم شدہ حراستوں کو محض ''گمشدہ افراد'' قرار دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب مبینہ مجرموں کے خلاف فوجداری شکایات درج ہوتی ہیں تو شکایت دہندگان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ جرم کو ''اغواء'' کے زمرے میں ڈالیں۔

اغواء یا اس جیسے دیگر جرائم جبری گمشدگی کی پیچیدگی اور بالخصوص اس کی سنگینی کا احاطہ نہیں کرتے اور اکثر اوقات جرم کی شدت کے مطابق سزائیں تجویز نہیں کرتے۔ یہ ''گمشدہ'' افراد کے رشتے داروں اور جبری گمشدگی کے نتیجے میں متاثر ہونے والے دیگر افراد کو متاثرین کے طور پر بھی تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ بین الاقوامی قانون تقاضہ کرتا ہے۔

آئی سی جے ایشیا کے ڈائریکٹر سام ظریفی کا کہنا ہے کہ: ''جنوبی ایشیا میں جبری گمشدگیوں کے ہزاروں واقعات کے باوجود حکومتیں اپنی اس قانونی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہی ہیں کہ وہ ان جرائم کو انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کے طور پر دیکھیں''۔ جنوبی ایشیائی حکومتوں نے جبری گمشدگی کے متاثرین کو معاونت فراہم کرنے یا ان کے خاندانوں کے سچائی، انصاف اور تلافی کے حق کو یقینی بنانے کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہیں کیے۔

جنوبی ایشیائی ممالک میں ذمہ داروں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے میں حائل دیگر رکاوٹیں بھی آپس میں مماثلت رکھتی ہیں: فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو گرفتاری اور حراست سمیت وسیع اور ناقابل جواب دہی اختیارات حاصل ہیں؛ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کو وسیع قانونی استثنا اور قانونی کارروائی سے تحفظ حاصل ہے؛ اور فوجی عدالتوں کو فوج کے اہلکاروں کی جانب سے سرزد ہونے والے جرائم کی سماعت کا اختیار حاصل ہے، ان واقعات میں بھی جہاں ان جرائم کا تعلق انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے ہو۔

متاثرین کے گروہ، وکلاء، اور جبری گمشدگیوں پر کام کرنے والے کارکنوں کو بھی سکیورٹی خطرات بشمول حملوں، ہراساں کیے جانے، کڑی نگرانی، اور دھمکیوں کا سامنا رہتا ہے۔

آئی سی جے اور ایچ آر سی پی کا کہنا ہے کہ علاقے میں جبری گمشدگیوں کے حوالے سے سزا سے استثنا کے خاتمے کے لیے قانون اور پالیسی میں جامع اصلاحات کی ضرورت ہے۔ جبری گمشدگی کو الگ اور واضح جرم قرار دینا اس جانب پہلا قدم ہوگا۔

اضافی معلومات

پاکستان میں جبری گمشدگی حالیہ سالوں میں ایک ملک گیر مسئلہ بن چکا ہے۔ اگرچہ ایسے واقعات زیادہ تر بلوچستان، وفاق اور صوبوں کے زیر انتظام قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا میں سامنے آئے ہیں تاہم اب سندھ میں بھی ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں۔ اب تک کسی ایک بھی مجرم کو قانون کے کٹہرے میں نہیں لایا گیا۔

نیپال میں مسلح تنازعے کے خاتمے کے دس سال بعد بھی جبری گمشدگی کے ایک ہزار سے زائد ممکنہ متاثرین کا کچھ اتا پتا نہیں اور مجرموں کو ابھی تک انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا گیا۔

ہندوستان میں 1989ء اور 2009ء کے درمیان صرف کشمیر میں جبری اور غیرارادی گمشدگیوں کے 8,000 سے زائد واقعات منظر عام پر آئے۔ ہندوستان کے شمال مشرق بالخصوص منی پور میں بھی بہت سے واقعات سامنے آئے ہیں۔ آرمڈ فورسز اسپیشل پاورز ایکٹ (ایفسپا) کے علاوہ دیگر قوانین کے تحت فراہم کردہ استثنا نے مشتبہ مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کو تقریباً ناممکن بنادیا ہے۔

2009ء سے بنگلا دیش میں بھی جبری گمشدگیوں میں اضافہ ہوا ہے اور حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے درجنوں سیاسی کارکنان، انسانی حقوق کے محافظین، طلباء اور صحافیوں کی گمشدگی کی اطلاعات سامنے آئی ہیں۔

سری لنکا دنیا کے ان ممالک میں سے ایک ہے جہاں کئی دہائیوں تک جاری رہنے والے مسلح تنازعے کے نتیجے میں جبری گمشدگی کے سب سے زیادہ واقعات پیش آئے ہیں۔ 2015ء میں سری لنکا تمام افراد کو جبری گمشدگی سے تحفظ فراہم کرنے کے عالمی میثاق کی توثیق کرنے والا پہلا جنوبی ایشیائی ملک بنا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 30 اگست 2016]

لاپتا سماجی کارکن کو بازیاب کرایا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سماجی کارکن عبدالواحد بلوچ کی مبینہ جبری گمشدگی پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے جو 26 جولائی کو میرپورخاص سے کراچی جارہے تھے۔

کمیشن کی جانب سے ہفتے کو جاری کیے گئے ایک بیان میں کہا گیا: ''سماجی کارکن عبدالواحد کی مبینہ جبری گمشدگی کی اطلاع ایچ آر سی پی کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ ان کا 26 جولائی سے کچھ اتا پتا نہیں جب انہیں ضلع میرپورخاص کے ڈگری ٹاؤن سے کراچی جاتے ہوئے ایک مسافر وین سے اتارا گیا۔

عبدالواحد کے خاندان کے مطابق وہ اپنے ایک دوست کے ہمراہ سفر کررہے تھے۔ تھانہ گڈاپ کی حدود میں واقع سپر ہائی وے کے ایک ٹال پلازا پر سادہ کپڑوں میں ملبوس دو افراد نے گاڑی کو روکا اور مسافروں کی شناختی دستاویزات کا معائنہ کیا۔ ان کے خاندان کے مطابق، عبدالواحد کا شناختی کارڈ دیکھنے کے بعد انہوں نے انہیں اپنا فون دکھانے کو کہا۔ فون کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے انہیں گاڑی سے باہر آنے کو کہا۔ بتایا گیا ہے کہ سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک اور شخص وہاں موجود تھا۔ اطلاعات کے مطابق ان دونوں افراد نے ڈرائیور کو فوری طور پر وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ عبدالواحد کے دوست نے دیکھا کہ انہیں ایک نیلی گاڑی میں لے جایا گیا جس کے بعد گاڑی وہاں سے روانہ ہوگئی۔

ٹال پلازا، جہاں سے عبدالواحد کو لے جایا گیا، سے کچھ ہی فاصلے پر ایک تھانہ اور رینجرز کی چیک پوسٹ واقع ہے۔ جائے وقوع اور تھانے اور رینجرز چیک پوسٹ کے درمیان کم فاصلہ اور ان کے اغواء کا طریقہ کار ان کے خاندان کے اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ انہیں جبری گمشدگی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

''عبدالواحد ایک سماجی کارکن ہیں جو متعدد بلوچی ادبی، میوزیکل اور ثقافتی تقریبات منعقد کرچکے ہیں۔ ایچ آر سی پی ان کی سلامتی کے حوالے سے سخت تشویش لاحق ہے اور یہ ان کی فوری بازیابی پر زور دیتا ہے۔ اگر عبدالواحد یا کسی بھی شہری کے خلاف قانونی کارروائی کا کوئی جواز موجود ہے تو ایسا قانون کے مطابق کیا جانا چاہئے۔ اگر ان کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت موجود ہے تو اسے عدالت میں پیش کیا جائے اور معین طریقہ کار کو یقینی بنایا جائے۔

''قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے شہریوں کو اٹھائے جانے کی مسلسل اطلاعات لوگوں کے لیے انتہائی پریشان کن ہیں۔ ایسی کارروائیاں فوری طور پر روکی جائیں۔ ایچ آر سی پی کا یہ ماننا ہے کہ اس قابل مذمت سرگرمی کا خاتمہ صرف اس صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ مرتکبوں کو حاصل سزا سے استثنا کا خاتمہ کیا جائے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 06 اگست 2016]

کوئٹہ سانحے کی مذمت، حکومت سے شہریوں کے تحفظ کا مطالبہ

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے پیر کو کوئٹہ میں وکلاء کے خلاف دو حملوں کی شدید مذمت کی ہے۔ جن میں کم از کم 53 افراد جاں بحق ہوئے۔ کمیشن نے حکومت کی جانب سے شہریوں کے تحفظ کے لیے دہشت گردی اور منظم جرائم کے انسداد کے لیے موثر اقدامات نہ کرنے پر بھی شدید افسوس کا اظہار کیا ہے۔

پیر کو جاری کئے گئے اپنے بیان میں کمیشن نے کہا: ایچ آر سی پی بلوچستان بار ایسوسی ایشن کے صدر بلال انور کاسی کے قتل اور کوئٹہ سول ہسپتال میں بم دھماکے کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرتا ہے جس میں اب تک 53 انسانی جانیں گئیں اور 50 سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں بڑی تعداد وکلاء کی ہے اس کے علاوہ صحافتی تنظیموں کے کم از کم 2 کارکن بھی ہلاک ہوئے ہیں اور کئی ایک زخمی بھی ہوئے ہیں۔

وکلاء پر اس طرح کا منظم حملہ قطعی طور پر ناقابل برداشت اور قابل مذمت ہے۔ کوئٹہ میں اس سانحہ کے بارے میں ارباب اقتدار کے مذمتی بیان یا اسے محض کسی غیر ملکی خفیہ ادارے کی کارستانی قرار دینا نہ تو کافی ہے اور نہ ہی کسی مسئلہ کا حل۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کی زندگیوں کی حفاظت کرے خواہ ان کے خون کے درپے کوئی بھی ہو۔

لوگ یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ عوام کی حفاظت پر مامور ادارے اس وقت کہاں تھے جب اس سانحے کے منصوبہ ساز اور اس پر عملدرآمد کرنے والے خواہ وہ غیرملکی ہوں یا پاکستانی اپنی مکروہ کارروائی میں مصروف تھے۔ حکومت پیر کے ہولناک واقعات کو ناقص حفاظتی اقدامات کہہ کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ براہ نہیں ہوسکتی اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پیر کے واقعات کو روکنے میں اپنی ناکامی کی وجوہات کی وضاحت کرے۔ عوام کو یہ بھی بتایا جانا چاہئے کہ حکومت انسداد دہشت گردی کے نام پر کی جانے والی منصوبہ بندی کے تحت اس امر کو کیسے یقینی بنائے گی کہ دہشت گردی کے ایسے واقعات کی واقعی روک تھام کی جاسکے۔ بلوچستان میں شہریوں کی حفاظت پر توجہ دینا خاص طور پر اس لیے ضروری ہے کیونکہ صوبے میں حال ہی میں پرتشدد واقعات میں کسی حد تک کمی نے یہ امید پیدا کی تھی کہ شاید حالات معمول کی طرف واپس لوٹ آئیں۔

یہ انتہائی افسوسناک امر ہے کہ پیر کا حملہ جس میں بے گناہ شہریوں کی اتنی بڑی تعداد میں ہلاکت ہوئی، ایک ہسپتال، جو کہ حالت جنگ میں بھی حملوں سے محفوظ تصور کیے جاتے ہیں، پیش آیا۔ ایسے اندوہناک سانحے کے بعد حکومت کے تمام انتہا پسندوں اور منظم مجرموں کے خلاف اقدامات کے واضح عزم کا اظہار محض الفاظ نہیں بلکہ مؤثر کارروائی کی صورت میں نظر آنا چاہیے۔

کوئٹہ میں ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا کہ کسی حملے کے

متاثرین کو ہسپتال لایا گیا ہو اور بعدازاں ہسپتال کو نشانہ بنایا گیا۔ جون 2013 میں سردار بہادر خاں خواتین یونیورسٹی کی طالبات کو نشانہ بنانے کے بعد بولان میڈیکل کالج ہسپتال کو اُس وقت فائرنگ اور بموں کا نشانہ بنایا گیا ہو جب زخمیوں کو وہاں علاج کے لیے لایا گیا تھا۔ ایسے حالات میں ہسپتال میں مناسب سکیورٹی فراہم کرنے میں ناکامی شدید قابل مذمت ہے۔

ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ عوامی وسائل تمام شہریوں کی زندگی کے تحفظ پر صرف کیے جائیں۔ کوئٹہ یا ملک کے کسی بھی حصے میں لوگ اہم شخصیات یا کھیلوں کی تقریبات کے لیے غیر معمولی سکیورٹی انتظامات کے معاملات پر معترض نہیں ہوں گے اگر عوام کے تحفظ کو اس کی قیمت نہ چکانا پڑے۔

کسی بھی قسم کی مالی امداد غمزدہ خاندانوں کے نقصان کا مداوا تو نہیں کر سکتی مگر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ جن مقتولین اور زخمیوں کی حفاظت میں وہ ناکام رہی، اُن کے خاندانوں کی فوری مناسب مالی معاونت کرے تاکہ اس مشکل وقت میں وہ کم از کم معاشی فکروں سے آزاد ہوں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 08 اگست 2016]

کوئٹہ کی قانونی برادری کو لاحق خطرات کا ازالہ کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے جمعرات کو کوئٹہ میں ہونے والے بم دھماکے پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے جس میں وفاقی شرعی عدالت کے ایک جج کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ کمیشن نے ججوں اور وکلاء کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئٹہ میں ہونے والا دھماکا، جس میں وفاقی شرعی عدالت کے جج ظہور شاہوانی کو نشانہ بنایا گیا، کوئٹہ کی قانونی برادری کو نشانہ بنائے جانے کا ہی تسلسل تھا

''خوش قسمتی سے وفاقی شرعی عدالت کے جج اس حملے میں محفوظ رہے لیکن دھماکے میں ایک پولیس اہلکار اور عام شہریوں سمیت درجن سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ اس دھماکے سے محض چند روز پہلے کوئٹہ میں ہونے والے بم دھماکے میں 70 سے زائد افراد ہلاک ہوئے تھے جن میں اکثریت وکلاء کی تھی۔ جمعرات کو ہونے والا دھماکا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کوئٹہ کی شعبہ قانون سے تعلق رکھنے والی کمیونٹی غیر محفوظ ہے۔

بلوچستان کے صوبائی دارالحکومت میں جج اور وکلاء تشدد کے بڑھتے ہوئے خوف میں اپنے فرائض آزادانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر انجام نہیں دے سکتے اور حتیٰ کہ وہ آزادانہ طور پر نقل و حرکت بھی نہیں کر سکتے۔

ہم پر امید ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ پیر کا تباہ کن حملہ جو کہ پاکستان میں وکلاء پر ہونے والا سب سے جان لیوا حملہ ثابت ہوا ہے، نہ صرف کوئٹہ میں امن عامہ کی موجودہ صورتحال پر توجہ دلائے گا بلکہ بار اور بینچ کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ضرورت کو بھی اجاگر کرے گا جو کہ خود مختار قانونی شعبے کی فعالیت اور قانون کی حکمرانی کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ اس وقت سکیورٹی کی نازک صورتحال کو مدنظر رکھا جائے تو جسٹس شاہوانی پر ہونے والا حملہ انتہائی تشویشناک ہے۔

ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ رواں ہفتے کوئٹہ میں قانونی برادری سے تعلق رکھنے والی کمیونٹی پر ہونے والے حملوں کی مکمل اور آزادانہ تحقیقات کرے جس کا مقصد مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانا ہو۔ وکلاء اور عدالتی افسران کو تحفظ دیے بغیر یہ توقع کرنا انتہائی مشکل ہے کہ وہ اپنے فرائض آزادانہ طور پر اور بغیر کسی دباؤ کے سرانجام دے سکیں گے۔

سب سے آخر میں یہ کہ ہمارا نہیں خیال کہ تشدد کی موجودہ لہر کوئٹہ میں وکلاء اور ججوں تک محدود رہے گی۔ کسے علم کے اگلا ہدف کون ہے؟ ہمیں امید ہے کہ سکیورٹی اور نظم و نسق سے متعلقہ تمام ادارے بشمول حزب اختلاف، الزام تراشی کے کھیل کا حصہ بننے سے گریز کریں گے اور شہریوں کی زندگیوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 11 اگست 2016]

بچوں کے تحفظ سے متعلق مسائل حل کیے جائیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اپنے اسلام آباد آفس میں بچوں کے تحفظ سے متعلقہ مسائل کے حوالے سے ایک مشاورت کا اہتمام کیا جس میں ایچ آر سی پی کے اراکین، بچوں کے حقوق پر کام کرنے والے کارکنان، وکلاء، صحافیوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

ابتدائی خطاب میں بچوں کے حقوق کی ماہر اور کارکن ناہید عزیز نے پاکستان میں بچے کی یکساں اور معیاری تعریف؛ پیدائش کے اندراج، کوائف، قانون سازی اور پالیسی سے متعلق مسائل؛ غیر محفوظ لڑکیوں اور لڑکوں کے درجات؛ اور معاشی، قانونی، سماجی و ثقافتی اور تعلیم صحت اور روزگار سے متعلق اسباب کی جانب توجہ دلائی جو بچوں کے مزید غیر محفوظ بناتے ہیں اور بچوں کے نظرانداز کرنے اور ان کے ساتھ زیادتی کا باعث بنتے ہیں۔

چودھری شفیق (اسلام آئی سی ٹی کے رکن) نے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کی نمائندگی کرتے ہوئے قصور میں جنسی زیادتی کے واقعات سے متعلق این سی ایچ آر کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ کی تجاویز کے علاوہ بچوں کے تحفظ کے حوالے سے قانون سازی، پالیسی اور حکومتی طریقہ کار سے متعلق جامع تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے این سی ایچ آر اور پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹیوں کو بچوں سے زیادتی سے متعلق پیش کیے گئے ''سرکاری'' اعدادوشمار پر سوال اٹھایا۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل مسائل کو اجاگر کیا گیا اور درج ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔

شرکاء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ان بچوں کے تحفظ سے متعلق آگہی میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے جو بے آواز ہیں اور جن کی مقتدرہ میں کوئی نمائندگی نہیں۔ شرکاء نے مزید کہا کہ بچوں کے تحفظ اور بڑھتی ہوئی غربت، بے روزگاری، دیہی/شہری نقل مکانی، صحت، آبادی، تعلیم، اور سب سے بڑھ کر سماجی و ثقافتی روایات اور نقصان دہ سرگرمیوں بشمول گھروں میں بچوں سے لی جانے والی جبری مشقت، ونی، سوارا، ولور، بدلہ صلح، وٹہ سٹہ، کاروکاری، ارجائی، سنگ چٹی اور جہیز؛ اور خاص طور پر جبری تبدیلی مذہب اور جبری شادی کے لیے ہندو اور مسیحی لڑکیوں کے اغواء؛ تیزاب حملے؛ بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے سے انکار، بیٹیوں کو اسکول بھیجنے سے انکار؛ جسمانی سزا اور اسکول میں نقصان دہ نصابی کتب، نفرت اور عدم برداشت کی تعلیم اور مسخ شدہ تحریروں میں تشدد کی ستائش کے درمیان تعلق کے بارے میں بھی آگہی فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

شرکاء نے بچوں کے لیے ایک قومی کمیشن؛ عالمگیر، لازمی اور مفت تعلیم سے متعلق آئینی دفعات کے نفاذ؛ بچوں کے تحفظ سے متعلق قوانین؛ جے جے ایس او اور پولیس آرڈر 2002ء؛ تعلیمی نصاب اور نصابی کتب میں بنیادی تبدیلیوں؛ بچوں کی صحت کی ضروریات؛ اور ضلعی حکومتوں کے ماتحت ایسے چائلڈ پروٹیکشن یونٹس کے قیام سے متعلق تجاویز کی تائید کی جو چائلڈ لیبر، دیہی لڑکیوں، شہروں کے مضافات میں قائم کچی آبادیوں، لسانی/مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بچوں اور آئی ڈی پیز/مہاجرین/خانہ بدوشوں پر خصوصی توجہ دیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 اگست 2016]

گمشدگیاں اب بھی سب سے اہم مسئلہ ہے

آئی۔اے۔رحمٰن

جبری گمشدگیوں کے شکار افراد کے عالمی دن یعنی منگل 30اگست، کے موقع پر عالمی سطح پر جبری گمشدگیوں کی شرمناک صورتحال پر قابو پانے کے لیے کی جانے والی کاششوں کو جائزہ لیا گیا۔ حکومت پاکستان کو اس حوالے سے موقع مہیا ہوا کہ وہ اس مسئلہ کا ایک بار پھر سے جائزہ لے جس نے گزشتہ کئی برسوں سے ہزاروں خاندانوں کو دکھ اور تکلیف میں گھیر رکھا ہے۔ حکومت نے اس گمبھیر مسئلہ یعنی جبری گمشدگی کے واقعات کا جائزہ لینے کے لیے 8مارچ 2011ء میں دوسرا تحقیقاتی کمیشن قائم کیا۔ کمیشن ایک اچھا کام یہ کرتا ہے کہ وہ وفاقی اور صوبائی حکام کو باقاعدگی سے اپنی ماہانہ کارکردگی سے متعلق آگاہی دیتا رہتا ہے۔ اگر حکومت کی نظروں سے یہ رپورٹیں نہ گزریں تو الگ بات ہے لیکن یہ رپورٹیں حکومت کی نظروں سے گزرتی ہیں تو پھر اس کے بعد وہ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتی کہ پاکستان میں جبری گمشدگیاں آج بھی انسانی حقوق کے بڑے مسئلے کے طور پر ہمیں درپیش ہے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حکومتی کوششوں کا ازسرنو جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

کمیشن ماہ بماہ تازہ ترین جبری گمشدگیوں سے متعلق معلومات وصول کرتا ہے اور یہ جبری گمشدگیاں بڑی تعداد میں ہوتی ہیں۔ اس سال جنوری میں 56واقعات، فروری میں 66، مارچ میں 44، اپریل میں 99، مئی میں 91، جون میں 60 اور جولائی میں 94 واقعات سامنے آئے۔ گزشتہ سات ماہ کے دوران گمشدگی کے 510 واقعات سامنے آئے یعنی ان واقعات کی ماہوار تعداد 72.86 رہی۔ اگرچہ جبری گمشدگیوں کے متعدد واقعات تحقیقاتی کمیشن تک پہنچائے ہی نہیں گئے لیکن جو واقعات کمیشن تک پہنچے، وہ حکومت کی آسودہ خاطری کے لئے کافی ہیں اور حکومت اپنی ذمہ داری سے جان نہیں چھڑا سکتی۔ مارچ 2011ء میں اپنے قیام کے وقت کمیشن کے پاس صرف 138 جبری گمشدہ افراد کی فہرست تھی اور یہ وہ فہرست تھی جو 2010ء کے تحقیقاتی کمیشن سے نئے کمیشن کو منتقل ہوئی تھی۔ اس فہرست میں ان جبری گمشدگیوں کے وہ مقدمات بھی شامل تھے جن کے بارے میں فیصلے نہیں ہوئے تھے۔ 2010ء کا تحقیقاتی کمیشن تین ارکان پر مشتمل تھا جو اعلیٰ عدالتوں کے سابقہ جج تھے۔ 31 جولائی 2016ء تک کمیشن کے پاس مقدمات کی تعداد 3522 ہوگئی تھی۔ ان میں سے 2105 مقدمات پر فیصلہ دے دیا گیا۔ بلاشبہ یہ قابل تعریف کارکردگی تھی۔ لیکن کمیشن کے قیام سے لے کر جولائی 2016ء تک 64 مہینوں کے دوران فیصل کئے جانے والے مقدمات کی فی صد شرح 32.89 فیصد رہی۔

اس سال مقدمات کو نپٹانے کی شرح کافی بلند رہی۔ گزشتہ سات ماہ کے دوران مقدمات کو نمٹانے کی شرح 48.3 رہی۔ یوں کہاں جا سکتا ہے کہ ہر ماہ اوسطاً 69 مقدمات کا فیصلہ کیا گیا۔ یکم اگست تک غیر فیصل شدہ مقدمات کی تعداد 1417 تھی اگر اس سال کی شرح (72.86 مقدمات فی ماہ) برقرار رہتی ہے اور مقدمات کو فیصل کرنے کی شرح بہتر بھی ہو جاتی ہے تو پھر بھی کمشن کئی برسوں تک اپنا کام مکمل نہیں کر پائے گا۔

مارچ 2011ء سے جو مقدمات نمٹائے گئے، ان میں 491 وہ مقدمات بھی تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے جبری گمشدگی کی تعریف میں نہیں آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بڑی تعداد میں ایسے دعوؤں کی تفتیش وتحقیق کی گئی جو واقعی جبری گمشدگی کی تعریف میں آتے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کمیشن نے کیا نتائج اخذ کئے؟ گزشتہ سات ماہ کے دوران جن 483 مقدمات کا فیصلہ کیا گیا ان میں سے 111 کو اس لیے خارج کر دیا گیا کہ وہ جبری گمشدگی کی تعریف میں نہیں آتے تھے۔ اور 372 افراد کا پتہ لگا لیا گیا تھا جبکہ کل غائب شدہ افراد کے پچاس فیصد سے کچھ زائد افراد اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے تھے لیکن کمیشن ہمیں یہ نہیں بتاتا

> کمیشن کو ہر ماہ بڑی تعداد میں گمشدگیوں کی تازہ رپورٹیں موصول ہوتی ہیں۔

کہ اس عرصے کے دوران یہ لوگ کہاں تھے جب ان کے خاندان والے انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ انہیں مل نہیں رہے تھے۔ سپریم کورٹ نے ایک بار حکم بھی دیا کہ واپس آجانے والے یا مل جانے والے افراد کے انٹرویو کئے جائیں تاکہ ان لوگوں کی نشاندہی ہو سکے جنہوں نے انہیں غائب کیا تھا اور انہیں سزائیں دی جائیں۔ سپریم کورٹ کے اس حکم پر ابھی عملدرآمد ہونا باقی ہے۔ جہاں تک ان 183 افراد کا تعلق ہے جن کے بارے میں پتہ تو چل چکا ہے لیکن وہ تاحال اپنے گھروں کو واپس نہیں پہنچ سکے، تو ان میں سے 46 عسکری نظربندی کیمپوں میں ہیں جبکہ 46 جیلوں میں بند ہیں۔ اس کے علاوہ 21 افراد وہ ہیں جنہیں رینجرز نے 90 دنوں کے لیے پکڑ رکھا ہے۔ 20 افراد فوت ہو چکے ہیں جبکہ دو افراد مقابلے میں مارے جا چکے ہیں۔

وہ 92 افراد جو مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں یا جیلوں میں قید ہیں، وہ کیسے اور کب سے جیلوں میں بند ہیں یا پولیس کی تحویل میں کیسے اور کیوں دیئے گئے؟ کمیشن نے اس معاملے کا جائزہ 2010ء میں لیا تھا اور انٹیلی جینس ایجنسیوں سے پولیس کو منتقل کئے جانے والے افراد کے خلاف انتہائی ظالمانہ طریقے سے تیار کئے گئے من گھڑت مقدمے بنانے پر پولیس پر شدید نکتہ چینی کی تھی اور ان میں سے کچھ مقدمات کو خارج کرنے کا حکم دیا۔ بدقسمت 92 گمشدہ افراد کے معاملات کی پورے طور پر تحقیقات ضرور کروائی جائیں۔ جن 20 افراد کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک شخص جیل میں مرا، اس کی موت اور مقابلے میں مارے جانے والے دو افراد کی ہلاکتوں کے بارے میں عدالتی تحقیقات کرائی جانی چاہئیں۔ حامد انصاری اور زینت شہزادی کے ساتھ ہونے والی واردات کا نوٹس لیئے بغیر گمشدگیوں کی جانچ مکمل نہیں ہو سکتی۔ حامد انصاری ایک ہندوستانی نوجوان انجینئر تھا جو غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوا۔ وہ انٹرنیٹ کے ذریعے بنی ایک نوجوان دوست لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ وہ 2012ء میں گرفتار ہو گیا۔ حکام طویل عرصہ تک اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے رہے لیکن آخر کار انہوں نے انکشاف کیا کہ فوجی عدالت میں اس پر مقدمہ چلا اور اس کو تین سال قید کی سزا ہوگئی۔ اس نے پشاور ہائی کورٹ میں درخواست دے رکھی ہے جس میں اس نے عدالت سے استدعا کی ہے کہ مقدمہ کی سماعت سے پہلے جتنا عرصہ اس کو قید میں رکھا گیا، اس عرصے کو اس کی سزا کے عرصہ میں سے منہا کر دیا جائے۔ لیکن اب جیل میں اس کو قتل کی ملنے والی دھمکیوں سے سخت تشویش پیدا ہوگئی ہے۔ حکومت کو اس کے تحفظ کو یقینی بنانا چاہئے اور بہتر ہوگا کہ اس کو بھارت واپس بھیجنے کے مناسب انتظامات شروع کر دیئے جائیں۔

زینت شہزادی انصاری کے معاملے میں اس کو قانونی مدد مہیا کر رہی تھی۔ اس کا معاملہ بھی اتنا ہی گمبھیر ہے جتنا کہ قندیل بلوچ کا۔ قندیل بلوچ ایک ماڈل تھی اور وہ اپنی مرضی کی زندگی جینا چاہتی تھی جس پر وہ قتل کر دی گئی۔ زینت کے بھی کچھ خواب تھے جو کچھ لوگوں کی نظروں میں معمول کے مطابق تھے۔ اس غریب عورت زینت شہزادی کی خواہش تھی کہ وہ صحافی بنے اور اس قسم کے مقدمات میں اپنا مثبت کردار ادا کر کے نام کمائے۔ ایک سال پہلے وہ غائب ہوگئی اور اس کا معاملہ تحقیقاتی کمیشن میں فیصلہ طلب ہے۔ ہر سماعت پر ایجنسیاں بے معنی اور من گھڑت کہانیاں پیش کر دیتی ہیں۔ کمیشن کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ ریاست کی اس ذمہ داری کو پورا کرے جو جبری طور پر گمشدہ افراد کی بازیابی سے متعلق ان پر عائد ہوتی ہے۔ ان حکام کو چاہئے کہ وہ اس پر توجہ نہ دیں کہ ان گمشدگیوں کا ذمہ دار کون ہے۔ انہیں تو گمشدہ افراد کو بازیاب کرانا چاہئے کہ یہی ان کا فرض ہے۔ یہ وقت ہے کہ حکومت گمشدگیوں کے معاملے کو تحقیقاتی کمیشن کی صوابدید پر چھوڑ دے۔ کمیشن کے وسائل بہت کم ہیں اور اس کی اتھارٹی اتنی نہیں کہ وہ ایسے سرکاری حکام سے اپنے فیصلوں پر عملدرآمد کرا سکے جو اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے میں مہارت رکھتے ہیں اور کمیشن کے احکامات کو ٹالنے کی جسارت آسانی کر سکتے ہیں۔ یا تو اس کمیشن کو عدالتی ٹریبونل میں تبدیل کر دیا جائے اور اس کو مناسب اختیارات اور وسائل مہیا کئے جائیں یا پھر ایک نیا کمیشن قائم کیا جائے۔ ورنہ حکومت اس الزام سے اپنی جان نہیں چھڑا پائے گی کہ وہ گمشدگیوں کے معاملے میں اس قدر سنجیدہ نہیں ہے جتنی سنجیدگی اس معاملے کے حوالے سے ضروری ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

رہائی پاکر اپنے گھروں کو لوٹنے والے لوگ انتہائی خوفزدہ تھے

جبری گمشدگی کے متاثرین کے عالمی دن کے موقع پر، ڈان نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی چیئرپرسن زہرا یوسف سے ان واقعات اور متاثرین کے اہل خانہ کو دستیاب قانونی چارہ جوئیوں کے متعلق گفت وشنید کی۔

ڈان: جبری گمشدگی کے متاثرین اوران کے اہل خانہ کو کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی دستیاب ہے؟

زہرا یوسف: کسی کو (بغیر الزام کے) اٹھانا اور غائب کردینا غیر قانونی کارروائی ہے۔ حتیٰ کہ حال ہی میں زائد المعیاد ہونے والے تحفظ پاکستان ایکٹ کے تحت بھی یہ اقدام غیر قانونی ہے۔ اس ایکٹ کے تحت قانون نافذ کرنے والے کسی فرد کو 90 دن تک حراست میں رکھ سکتے ہیں مگر چند حدود کے اندر رہتے ہوئے۔

جبری گمشدگیاں عالمی وملکی قانون کے تحت غیر قانونی ہیں جس کے باعث لوگ ان کے خلاف عدالت سے رجوع کرتے ہیں۔ مزید برآں، ہم نے فروری 2007ء میں ایک کیس بھی درج کروایا تھا جو کہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے جبکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اور خفیہ معلومات کی ایجنسیاں ہمیشہ اس جرم میں ملوث ہونے سے انکار کرتی آئی ہیں۔

ان کیسز کی پیروی کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ رہے ہیں اوراب آپ کو ہر کیس کی الگ الگ فیس ادا کرنا ہوگی۔

ہم نے 600 سے زائد افراد کی بازیابی کے لیے پٹیشن دائر کی تھی، ان میں سے بعض بازیاب ہوچکے ہیں جس کی بدولت اب یہ تعداد 200 رہ گئی ہے۔

اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے ستمبر 2012ء میں بلوچستان میں حکومتی عہدیداروں اور متاثرین کے اہل خانہ سے ملاقات کی تھی اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ جبری گمشدگیوں کے خلاف میثاق پر دستخط کریں۔ ابھی تک اس سفارش پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔

ڈان: جبری گمشدگیوں کے زیادہ تر واقعات کہاں پیش آرہے ہیں اور کن لوگوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔

زہرا یوسف: ایسے واقعات کی سب سے زیادہ تعداد خیبر پختونخواہ میں ہے اور زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں سکیورٹی ایجنسیوں کا خیال ہے جو کہ درست بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی کہ وہ شدت پسندی یا ریاست مخالف کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ بلوچستان میں زیادہ تر قوم پرست نشانے پر ہیں یا جنہیں وہ علیحدگی پسند تصور کرتی ہیں۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، تاہم گرفتاریاں شہادت کی بجائے شبہات کی بنیاد پر کی جاتی ہیں۔

ایچ آر سی پی کے ایک کارکن کو اٹھایا گیا تھا جن کی نعش چار ماہ بعد بلوچستان سے برآمد ہوئی۔ ان پر تشدد کیا گیا تھا۔

اٹھائے جانے والے زیادہ تر افراد 40 برس سے کم عمر مرد ہوتے ہیں۔ بلوچ قوم پرستوں کا کہنا ہے کہ خواتین کو بھی اٹھایا گیا ہے مگر ہم ابھی تک ان دعوؤں کی توثیق کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم پنجاب میں (شہزادی) کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ ایک سماجی کارکن اور صحافی ہے اور ایک برس سے غائب ہے۔ اس کا کیس بھی سرکاری انکوائری کمیشن کے پاس ہے۔

اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے ستمبر 2012ء میں بلوچستان میں حکومتی عہدیداروں اور متاثرین کے اہل خانہ سے ملاقات کی تھی اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ جبری گمشدگیوں کے خلاف میثاق پر دستخط کریں۔ ابھی تک اس سفارش پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔

ڈان: کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی غائب شدہ فرد کے گھر پلٹنے پر ریاست کو اپنی کارروائیوں کی وضاحت کرنے کے لیے کہا گیا ہو؟

زہرا یوسف: ایسا نہیں ہوسکا کیونکہ جبری گمشدہ فرد اپنے گھر واپس لوٹتا ہے تو اس کے ساتھ یہ باب بند ہوجاتا ہے اور اسی استثنا کے باعث ایسے واقعات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

بلوچستان، حتیٰ کہ کراچی سے نعشوں کی برآمدگی کے کئی واقعات رونما ہوئے ہیں۔ اور اگر لوگ بازیاب ہوتے تو (ان کی حالت بہت بری ہوتی ہے) اڈیالہ 11 کا ایک معروف کیس تھا جس میں 11 افراد غائب ہوگئے تھے اور پھر بعدازاں انہیں ایک حراستی مرکز میں پایا گیا۔ عدالت نے ان کی عدالت میں پیشی کی ہدایات صادر کیں اور ان کی حالت اس قدر بری تھی کہ وہ اڈیالہ 11 سے کم ہوکر اڈیالہ 07 رہ گئے کیونکہ ان میں سے چار جاں بحق ہوگئے تھے۔

ڈان: کیا حال ہی میں پیش آنے والے واقعات میں کوئی پیش رفت ہوئی ہے، مثال کے طور پر عبدالواحد بلوچ کی جبری گمشدگی کا واقعہ جنہیں گزشتہ ماہ کے اواخر میں مبینہ طور پر اٹھایا گیا تھا؟

زہرا یوسف: ہم نے واقعے کی تحقیقات کی تھیں، ہمارے وائس چیئرپرسن نے اس وقت ڈیوٹی پر موجود رینجرز کے اہلکاروں اور ایس ایچ او سے ملاقات کی تھی جنہوں نے عبدالواحد کی جبری گمشدگی کے دعوؤں کی تردید کی تھی۔

ایس ایچ او نے کہا کہ عبدالواحد کے اہل خانہ کسی بھی ایسے فرد کی نشاندہی نہیں کرسکتے جس کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے اور وہ سکیورٹی ایجنسیوں کا نام لینے سے خوفزدہ تھے۔

ہم نے اس فرد سے ملاقات کی جو وقوعے کے وقت مسٹر عبدالواحد کے ساتھ تھا مگر اس نے بھی وہی کہانی دہرائی۔ چنانچہ، اس حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔

ڈان: ایسے کیسز کی پیروی کرنے والے لوگوں کی ایچ آر سی پی کسی قسم کی معاونت کرتا ہے۔

زہرا یوسف: ہماری پٹیشن سپریم کورٹ میں زیرالتوا ہیں اور ہم نے کوائف مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ نامکمل ہیں کیونکہ بعض معلومات کی دستیابی ممکن نہیں ہوسکی۔

حکومت نے جبری گمشدگیوں کے واقعات کی چھان بین کے لیے ایک انکوائری کمیشن قائم کیا تھا جو کہ ہر تین ماہ بعد اپنا اجلاس منعقد کرتا ہے۔

انہوں نے بعض لوگوں کا سراغ لگایا ہے اور کمیشن کی کارکردگی میں بہتری آرہی ہے مگر وہ سکیورٹی ایجنسیوں سے جواب طلبی نہیں کرسکتا۔

کسی فرد کو بھی سزا نہیں مل سکی حتیٰ کہ بعض لوگوں کی بازیابی کے بعد بھی ایسا ممکن نہیں ہوسکا۔ واپس پلٹنے والے لوگ انتہائی خوفزدہ ہوتے اور عدالتوں نے بھی کسی ایک کیس میں یہ چھان بین کرنے کی کوشش نہیں کی کہ متعلقہ افراد کو کس طرح اٹھایا گیا تھا اور نہ ہی انہوں نے سکیورٹی اداروں کو سزا سے حاصل استثنیٰ کے معاملے کو دیکھا ہے۔ سویلین انتظامیہ اس میں ملوث ہے یا خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہی ہے۔

(رپورٹ: عاصمہ موجز)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

☆☆☆

مقامی حکومتوں کے قوانین کا تجزیہ اور ترامیم کے اثرات

کوئٹہ 30 جولائی 2016ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیراہتمام صوبائی دارلحکومت کوئٹہ سمیت بلوچستان کے دیگر اضلاع کے منتخب بلدیاتی نمائندوں (کونسلران، چیئرمین، اقلیتی کونسلران) کے لئے صوبے میں مقامی حکومتوں کے قوانین کا تجزیہ اور ترمیم کے اثرات پر ایک روزہ ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ ورکشاپ میں مختلف اضلاع کے کونسلران ،اقلیتی کونسلران اور یونین چیئرمینوں نے شرکت کی۔ ورکشاپ کی مختصر روداد ذیل میں بیان ہے۔

حسین نقی (جوائنٹ ڈائریکٹر، ایچ آر سی پی)

ہمارے ملک میں ابھی تک اختیارات عملی طور پر نچلی سطح پر منتقل نہیں ہوئے ۔آج بھی اختیارات کا بہت بڑا حصہ بیوروکریسی کے پاس ہے اور کچھ اختیارات حکومت کے پاس ہیں۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد کچھ اختیارات مقامی منتخب بلدیاتی نمائندوں کو منتقل ہو گئے تھے مگر وہ آج تک پورے نہیں دیئے جا رہے ہیں بلکہ ان اختیارات کو واپس لینے کی کوششیں جاری ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اختیارات مقامی حکومتوں کو منتقل ہونے چاہئیں تا کہ وہ آزادی سے کام کر سکیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ آج بھی اگر کسی کو کوئی نالی بنانی ہو تو اس کے لئے بھی کمشنر سے اجازت لینی پڑتی ہے ملک کا المیہ یہ رہا ہے کہ جب کوئی حکومت نئی نظام متعارف کرواتی ہے تو دوسری حکومت برسراقتدار آ کر اس نظام کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے سسٹم برقرار نہیں رہتا اور اسی وجہ سے ادارے مضبوط ہونے کی بجائے تنزلی کی جانب گامزن ہیں۔آج بھی کونسلران اپنی حد تک پولیس تھانوں میں رپورٹ درج کرانے تک محدود ہیں۔ان کے پاس نہ کوئی فنڈ ہے اور نہ ہی ان کو سہولیات فراہم کی گئی ہیں لوکل گورنمنٹ قوانین میں کئی قسم کی خامیاں موجود ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ان خامیوں کی وجہ سے مسائل میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جا رہا ہے،اب بھی وقت ہے کہ لوکل گورنمنٹ قوانین کو موثر بنانے کے لئے اس میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں۔ مشرف کے دور میں انہی ارکان پارلیمنٹ نے صوبائی اور قومی اسمبلی کی نشستوں سے مستعفی ہو کر ناظم بننے کی کوشش کی کیونکہ اس دور میں لوکل گورنمنٹ کے دائرہ اختیار میں فنڈز اور اختیارات کافی زیادہ تھے۔

پروفیسر شاہ محمد

اٹھارویں ترمیم کے بعد اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی کے لئے قانون سازی کا اختیار صوبائی اسمبلیوں کو دیا گیا جس سے صوبوں میں مقامی حکومتوں کی اہمیت اور زیادہ بڑھنے لگی۔

> ہمارے ملک میں ابھی تک اختیارات عملی طور پر نچلی سطح پر منتقل نہیں ہوئے ہیں آج بھی اختیارات کا بہت بڑا حصہ بیوروکریسی کے پاس ہے اور کچھ اختیارات حکومت کے پاس ہیں۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد کچھ اختیارات مقامی منتخب بلدیاتی نمائندوں کو منتقل ہو گئے تھے مگر وہ آج تک پورے نہیں دیئے جا رہے ہیں بلکہ ان اختیارات کو واپس لینے کی کوششیں جاری ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اختیارات مقامی حکومتوں کو منتقل ہوں تا کہ وہ آزادی سے کام کر سکیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ آج بھی اگر کسی کو کوئی نالی بھی بنانی ہو تو اس کے لئے بھی کمشنر سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ ملک کا المیہ یہ رہا ہے کہ جب کوئی حکومت نئی نظام متعارف کرواتا ہے تو دوسری حکومت برسراقتدار آ کر اس نظام کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے سسٹم برقرار نہیں رہتا اور اسی وجہ سے ادارے مضبوط ہونے کے بجائے تنزلی کی جانب گامزن ہوتے ہیں۔

آئین کے آرٹیکل 7 تا 32 مقامی حکومتوں کی اختیارات کے حوالے سے ہیں۔ بلوچستان میں پہلا گورنمنٹ ایکٹ 1985ء رائج ہوا تھا۔ پھر مشرف کے دور حکومت میں اس قانون کو تبدیل کر کے لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2000ء نافذ کر دیا گیا۔اس ترمیم سے مقامی حکومتوں کو پہلے سے زیادہ اختیارات منتقل ہو گئے جس میں مالی اور انتظامی اختیار قابل ذکر ہیں۔ان اختیارات کو دیکھ کر صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین بھی مقامی حکومتوں کے انتخابات میں حصہ لیکر ضلع اور تحصیل ناظم منتخب ہو گئے لیکن 2010ء میں بلوچستان حکومت نے مقامی حکومتوں کا نیا ایکٹ متعارف کروایا جس میں مقامی حکومتوں کے اختیارات اور مالی وسائل محدود کر دیئے گئے۔اگر اس کے پس منظر کو دیکھا جائے تو صوبائی اسمبلی کے منتخب اراکین کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر مقامی حکومتیں مالی وانتظامی طور پر زیادہ بااختیار ہوں گی تو اراکین اسمبلی کی اہمیت وحیثیت کم ہو جائے گی اور وہ مالی فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔

مقامی حکومتیں ریاستی ڈھانچہ کا اہم عنصر ہوتی ہیں جو کہ عوام میں نچلی سطح پر اختیارات کی منتقلی کا اہم ذریعہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔معاشرے کے لوگ براہ راست اپنے منتخب کردہ نمائندوں سے رابطے میں ہوتے ہیں۔اجتماعی مسائل سے لیکر انفرادی مسائل کے حل کے لئے مقامی نظام حکومت ایک موثر ادارہ تصور کیا جاتا ہے جس میں لوگوں کے بنیادی مسائل جیسے کہ برتھ سٹرٹیفکیٹ، ڈیتھ سٹرٹیفکیٹ، رجسٹریشن وغیرہ مقامی سطح پر ہی حل کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ تعلیم ،صحت ،پانی اور سماجی مسائل کا بھی موثر اور بروقت حل ممکن ہوتا ہے۔

مقامی حکومتوں کو مختلف درجہ بندیوں میں تقسیم کیا گیا ہے

نمبر1 یونین کونسل

نمبر2 تحصیل کونسل

نمبر3 ڈسٹرکٹ کونسل

یہ 2001ء میں متعارف کرایا گیا تھا،2001ء کے قانون میں مقامی حکومتوں کے اختیارات میں لا کر مرکزیت متعارف کروائی گئی۔ جبکہ 2010ء کے لوکل گورنمنٹ آرڈننس میں اختیارات کو مرتکز کرنے کی کوشش کی گئی۔

لوکل گورنمنٹ پارٹی کی بنیاد پر انتخابات میں حصہ لینے کا مواقع فراہم کرتی ہے۔لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے تحت تمام صوبوں میں مقامی حکومتیں صوبائی حکومت کے ماتحت ہوں گی۔وزیراعلیٰ کو قانونی طور پر یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ مقامی حکومت کو ختم کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ کونسل کا نیا سربراہ مقرر کر سکتا ہے اور قانون کے مطابق 90 دن کے اندر نئے انتخابات کرانا لازمی ہوگا۔

ہمارے ملک میں اختیار بالائی سطح پر ہے جبکہ دنیا میں یہ نظام نچلی سطح سے شروع ہو کر بالائی سطح کو جاتا ہے اور جمہوریت کی اصل روح بھی یہی ہے۔قانون سازی بنیادی طور پر ایک اہم ذمہ داری ہے۔ قانون سازی کا حصہ بننے والے لوگوں کی سماج پر یا قانون ساز اداروں پر وسیع نظر ہوتی

جن ممالک نے ترقی کی منازل طے کی ہیں ان کی ترقی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ وہاں کی حکومتوں نے اختیارات کو نچلی سطح پر منتقل کر دیا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم نے سسٹم کو چلنے نہیں دیا اداروں کو کرپشن سے پاک کرنے کے لئے موثر قوانین کے علاوہ سزا دینے کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے کونسلرز حضرات بھی اپنے اپنے علاقوں میں دیانت داری سے کام نہیں کرتے جب مشروف کے دور میں انہیں اختیارات حاصل تھے تب انہوں نے بھی مالی اختیارات اور فنڈز بہتر طریقے اور صحیح استعمال نہیں کیا ترقیاتی کام کا معیار بھی بہتر نہیں تھا۔

ہے۔ وہ سماج کا مشاہدہ کرکے قانون سازی کے ذریعے ان مسائل کا حل تجویز کرتے ہیں۔ تعلیم کے بغیر ہم جمہوریت کو نہیں سمجھ پائیں گے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ہم تعلیم کے بغیر کچھ بھی سمجھنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ایکٹ 140-A میں واضح ہے کہ لوکل گورنمنٹ کے چھوٹے یونٹ ہوں گے جو کہ لوگوں کے ساتھ گھل مل جائیں۔ گے یہ یونٹس اپنے قوانین خود منظور کریں گے۔

رحیم کاکڑ

(اپوزیشن لیڈر میٹروپولیٹن کارپوریشن کوئٹہ)

سب سے پہلے میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا مشکور ہوں کہ انہوں نے ایک اہم پروگرام کا انعقاد کیا ہے جس سے نہ صرف ہمارے دیہی علاقوں کے بلدیاتی نظام سے وابستہ لوگوں کو یہ نظام سمجھنے میں آسانی ہو گی بلکہ انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کے اختیارات کس طرح اور کس نے چھینے ہیں۔ لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2010ء میں صرف اور صرف اراکین صوبائی اسمبلی کے مفادات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے، اس قانون میں ان خاندانوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے جو ہمیشہ سے عوام پر مسلط ہوتے جارہے ہیں۔ بلدیاتی نمائندوں کو حاصل مالی اختیارات، انتظامی اختیارات اور دیگر بنیادی اختیارات کو چھین لیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس ایکٹ کے بعد بلدیاتی نمائندوں اور بلدیاتی اداروں کی کوئی اہمیت باقی رہ گئی ہو۔ بلوچستان میں جہاں تک تعلق ہے لوکل گورنمنٹ کا تو سب سے اچھا نظام جنرل مشرف کے ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کا تھا جس میں تمام طبقات کی شمولیت تھی مثلاً خواتین کو پہلی بار 33 فیصد نمائندگی دی گئی تھی اقلیتوں کو بھرپور نمائندگی دی گئی تھی اس کے علاوہ ہر ضلع کا ملازم اپنے ضلع تک محدود ہوتا تھا۔ ترقیاتی کاموں میں انتظامی ہائی اختیارات مکمل طور ضلع ناظم کے پاس تھے مگر آج 2010 کے ایکٹ کے تحت میئر، ڈپٹی میئر اور ممبر کونسل کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے تمام اختیارات ڈپٹی کمشنر، ڈویژنل کمشنر، اور صوبائی سیکرٹری کے پاس ہیں ۔

بلدیاتی نمائندوں کے اختیارات کے حوالے سے سپریم کورٹ کے واضح احکامات موجود ہیں مگر بدقسمتی سے صوبائی حکومت وہ اختیارات بلدیاتی اداروں کو منتقل نہیں کر رہی ہے جس سے ایک جانب سپریم کورٹ کی حکم عدولی ہو رہی ہے تو دوسری جانب بلدیاتی نمائندوں کے بے اختیار ہونے کی وجہ سے عوامی مسائل حل نہیں ہو رہے ہیں۔ آج کا بلوچستان ماضی کے بلوچستان سے کافی مختلف ہے۔ آج لوگ فنڈز، ترقیاتی اسکیمات اور اپنے حقوق کے متعلق کافی بہتر انداز میں جانتے ہیں۔

میر وزیر خان مینگل

(بلدیاتی کونسلر، نوشکی)

بلدیاتی نمائندوں کے اختیارات کے حوالے سے سپریم کورٹ کے واضح احکامات موجود ہیں مگر بدقسمتی سے صوبائی حکومت وہ اختیارات بلدیاتی اداروں کو منتقل نہیں کر رہی ہے۔ جس سے ایک جانب سپریم کورٹ کی حکم عدولی ہو رہی ہے تو دوسری جانب بلدیاتی نمائندوں کے بے اختیار ہونے کی وجہ سے عوامی مسائل حل نہیں ہو رہے۔ آج کا بلوچستان ماضی کے بلوچستان سے کافی مختلف ہے آج لوگ فنڈز، ترقیاتی اسکیمات اور اپنے حقوق کے متعلق کافی بہتر انداز میں جانتے ہیں۔ ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ ہمارے مسائل کیوں حل نہیں ہو رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام اختیارات پر صوبائی حکومت قابض ہے۔

طاہر حسین ایڈووکیٹ

(وائس چیئرمین ایچ آر سی پی بلوچستان چیپٹر)

جن ممالک نے ترقی کے منازل طے کیئے ہیں ان کی ترقی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ وہاں کی حکومتوں نے اختیارات کو نچلی سطح پر منتقل کر دیا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم نے سسٹم کو چلنے نہیں دیا۔ اداروں کو کرپشن سے پاک کرنے کے لئے موثر قوانین کے علاوہ سزا دینے کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے کونسلرز حضرات بھی اپنے اپنے علاقوں میں دیانت داری سے کام نہیں کرتے۔ جب مشروف کے دور میں انہیں اختیارات حاصل تھے تب انہوں نے بھی مالی اختیارات اور فنڈز بہتر طریقے اور صحیح استعمال نہیں کیا ترقیاتی کام کا معیار بھی بہتر نہیں تھا۔

محمد کریم باروزئی

حکومت پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 7 سے 32 کے تحت لوکل گورنمنٹ کے تحت عوام نے بلدیاتی نمائندوں کو منتخب کیا تاکہ وہ نچلی سطح کے مسائل حل کریں۔ لوکل گورنمنٹ کے الیکشن کروا کر عوامی نمائندوں کو منتخب کروایا گیا مگر اختیارات کا اصل مرکز صوبائی حکومت کے پاس رہنے دیا گیا۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے مطابق فوری طور پر بلدیاتی اداروں کو بااختیار بنایا جائے اور مالیاتی و انتظامی طور پر تمام اختیارات بلدیاتی نمائندوں کے حوالے کئے جائیں تاکہ مقامی سطح پر لوگوں کو درپیش مسائل بہتر انداز میں حل ہوسکیں

عبدالشکور

کونسلر کا ایک تعلیم یافتہ شخص ہونا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اگر تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ اپنے حقوق نہیں حاصل کرسکتا کونسلر کو ایک ذمہ دار شخص ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنا فرض نبھا سکے۔ فنڈز کی استعمال میں نسل اور ذات کو مدنظر نہ رکھا جائے بلکہ سب کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ کونسلروں کو اپنے اختیارات کی جانکاری کے حوالے سے تربیت اور آگاہی دی جائے۔

محمد ناصر راہی

بلدیاتی نظام کے ایکٹ کا اردو میں ترجمہ کے بعد تمام یونین کونسلوں کے منتخب نمائندوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا جائے اور نظام کی خوبیوں اور اہمیت کے حوالے سے کم ازکم ہر ضلع میں اس طرح کے پروگرام منعقد کئے جائیں تاکہ بلدیاتی نمائندوں کو ان کے اختیارات کے متعلق بہتر معلومات حاصل ہوسکیں

حاجی محمد سعید

تمام ترقیاتی منصوبوں کو بلدیاتی اداروں کے نمائندوں کی مشاورت سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ یہ گاؤں اور محلّہ کی سطح سے منتخب ہو کر آتے ہیں اس لیے انہیں عوامی مسائل کے متعلق بہتر جانکاری ہوتی ہے۔ ایم پی اے کا کام قانون سازی ہے انہیں ترقیاتی منصوبوں کے لئے فنڈز قطعی طور پر جاری نہ کئے جائیں۔ ترقیاتی اسکیمات کے لئے جو فنڈز مختص ہیں انہیں بلدیاتی نمائندوں کے ذریعے خرچ کیا جائے۔

(ایچ آر سی پی، کوئٹہ چیپٹر آفس)

مقامی حکومتوں میں خواتین کی شرکت کی حوصلہ افزائی

کوئٹہ 29 جولائی 2016ء

بلوچستان میں مقامی حکومتوں میں خواتین کی شرکت کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے کوئٹہ میں 29 جولائی 2016ء کو ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں بلوچستان سے تعلق رکھنے والی خواتین بلدیاتی نمائندوں نے شرکت کی۔ پروگرام کی کارروائی درج ذیل ہے۔

حسین نقی

(جوائنٹ ڈائریکٹر ایچ آر سی پی)

ورکشاپ منعقد کرنے کا مقصد بلدیاتی اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے ہمارے بلدیاتی نظام میں کئی خامیوں کے باوجود یہ اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے مگر یہاں پر خواتین کی نشستیں کافی کم ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ خواتین کو بھی مردوں کے برابر نمائندگی دی جاتی اور ان کا انتخاب بھی براہ راست ووٹنگ کے ذریعے ہوتا مگر یہاں پر خواتین اور اقلیتوں کو مخصوص نشستوں پر منتخب کیا جاتا ہے جس سے ان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج کے اس پروگرام میں خواتین بلوچستان کے مختلف اضلاع سے شریک ہیں اور وہ اپنے حق کے لئے اپنے ایوانوں میں بھی بات کریں تا کہ ان کو ان کے حقوق مل سکیں۔ بلوچستان کا جو بلدیاتی آرڈننس ہے اس میں ابھی بھی بہت سی خامیاں ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے اور خاص کر خواتین اور اقلیتوں کو زیادہ سے زیادہ بااختیار بنانے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنی ترقیاتی بجٹ خود اپنی مرضی سے استعمال کر سکیں آج آپ تمام کو یہاں مدعو کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم آپ کے مسائل اور ان کے حل کے لئے آپ سے تجاویز لیکر حکومت تک پہنچائیں۔

جلیلہ حیدر ایڈووکیٹ

بلدیاتی اداروں میں خواتین کی شمولیت یقیناً بہت بڑا انقلاب ہے مگر خواتین کی نمائندگی کو اتنا پیچیدہ بنایا گیا ہے کہ انہیں اس نظام میں بھی مردوں کا محتاج بنا دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بلدیاتی نظام یا مقامی حکومتیں کہتے کس کو ہیں؟ مقامی حکومتوں کے نظام کا بنیادی مقصد نچلی سطح پر عوام کو حکومتی امور میں شامل کرنا ہے تا کہ عوام اپنے روزمرہ کے امور کے انجام دہی کیلئے منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد میں شریک ہو سکیں۔

پاکستان میں مقامی حکومتوں کی تاریخ انگریز دور سے ملتی ہے جب انگریز حکومت نے برصغیر پاک و ہند میں آزادی کی تحریکوں کے دباؤ کو کم کرنے کیلئے مقامی حکومتوں کے نظام کو متعارف کروایا تا کہ نچلی سطح پر لوگوں کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ پاکستان کے بننے کے بعد جنرل ایوب کے مارشل لاء کے دوران بنیادی جمہوریتوں کے نام سے مقامی حکومتوں کے نظام کو متعارف کروایا گیا اور پھر انہوں نے اپنے منتخب اور نامزد ارکان کے ذریعے خود کو صدر منتخب کیا۔

بنیادی جمہوریتوں کا نظام اپنے خالق جنرل ایوب کے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ختم ہوا۔ پیپلز پارٹی کے پہلے دور حکومت میں پیپلز لوکل گورنمنٹ کے نام سے قانون کو منظور کیا گیا مگر پورے دور حکومت میں ان اداروں کے انتخابات نہیں کروائے گئے۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں مقامی حکومتوں کے نظام کو دوبارہ ایک آرڈیننس کے ذریعے جسے لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1977-80 کہا جاتا ہے مقامی حکومتوں کے اداروں کے الیکشن کروائے گئے۔ بلوچستان میں ریئسانی حکومت کے دور 2010 میں جنرل مشرف کے قانون کو ختم کر کے بلوچستان لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2010 صوبائی اسمبلی سے منظور کیا گیا مگر حکومت کے خاتمے تک مقامی حکومتوں کے انتخابات سے گریز کیا گیا۔ موجودہ صوبائی حکومت نے 2010 کے قانون میں صرف ایک ترمیم کی۔ غیر بنیادی جماعتوں پر انتخاب کی شق میں ترمیم کر کے جماعتی بنیادوں پر انتخابات کئے گئے۔

بلدیاتی اداروں میں خواتین کی شمولیت یقیناً بہت بڑا انقلاب ہے مگر خواتین کی نمائندگی کو اتنا پیچیدہ بنایا گیا ہے کہ انہیں اس نظام میں بھی مردوں کا محتاج بنا دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بلدیاتی نظام یا مقامی حکومتیں کہتے کس کو ہیں؟

مقامی کونسلوں کے انتظامی سربراہ چیئرمین / میئر ہونگے۔ وائس چیئرمین / ڈپٹی میئر مقامی کونسلوں کے کنوینر ہوں گے۔ اس ایکٹ کے تحت ڈویژنل و ضلعی دفاتر کی بحالی اور ڈویژنل رابطہ کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ مقامی کونسلز بلدیاتی اور ترقیاتی فرائض سرانجام دیں گے۔ صوبائی مالیاتی کمیشن کی جگہ لوکل کونسلز گرانٹس کمیٹی تشکیل دی جائے گی۔ علاوہ ازیں لوکل اکاؤنٹس کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا جائے گا۔ مگر اس ایکٹ میں خواتین کی 30 فیصد نمائندگی اور مصالحتی انجمن کو برقرار رکھا گیا ہے اور اس ایکٹ کے تحت غیر وفاقی محکموں کو صوبے کے حوالے کرنے اور صوبائی حکومت کو لوکل گورنمنٹ کے خصوصی آڈٹ کا اختیار دیا گیا ہے۔

عورتوں کا مقامی حکومتوں میں حصہ لینا کیوں ضروری ہے

صوبہ کی پائیدار ترقی کے لئے خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لینا چاہئے خاص کر مقامی حکومتوں میں تو ان کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے معاشی اور معاشرتی ترقی میں خواتین کا کردار بہت اہم ہوتا ہے کیونکہ جس معاشرے میں خواتین اپنا کردار موثر طریقے سے ادا کرتی ہیں وہ معاشرہ بہت جلد ترقی یافتہ معاشرہ بنتا ہے اس سے خواتین اپنے فیصلہ سازی میں بھی بااختیار ہوتے ہیں اور اپنے مستقبل کے فیصلے کے حوالے سے اپنا بہتر کردار ادا کر سکتی ہیں سیاسی عمل میں عورتوں کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے جب تک ہم ان کو فیصلہ سازی میں شامل نہیں کرتے تب تک خواتین کے متعلق غیر جانبدارانہ فیصلہ سازی نہیں ہو سکتی۔

ورکشاپ کے دوران کوئٹہ سمیت بلوچستان کے دیہی علاقوں سے آنے والی خواتین شرکاء کو اظہار خیال اور سوالات کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس موقع پر خواتین کونسلران نے اظہار خیال کیا

صائمہ بلوچ:۔ ہمیں مکمل اختیار دینا چاہیے اور اپنی ذمہ داری کا پتہ ہونا چاہیے۔ ہمیں تمام فیصلہ سازی میں شامل ہونا چاہیے اور لوگوں کے سامنے اپنے کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور اس تربیت سے یہ فائدہ ہوا کہ سارے کونسلرز سے ملے اور معلومات حاصل ہوا اور مجھے اپنے کام کے حوالے سے معلومات ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ کونسلرز کی بھی کوئی فنڈنگ ہوتی ہے۔ کونسلرز کو بھی کام کرنا ہوتا ہے اور عورتوں کو قانون سازی اور فیصلہ سازی میں حصہ لینا چاہیے۔

رمشاء: عمومی نشستوں پر ہر عورت کو اجازت دی جائے تا کہ گھر میں بیٹھی خواتین ان کو دیکھا کر آگے آئیں۔ اور احساس کمتری ختم ہو اور عورتیں تعلیم یافتہ ہیں، کچھ کرنا چاہتی ہیں مگر ان کے پاس وسائل نہیں ہوتے جن سے بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ خواتین کیلئے ایسی ورکشاپ منعقد ہونی چاہئیں تا کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے حقوق کو سمجھ سکیں۔ ہمیں آج بہت سی ملیں۔

ثانیہ بلوچ: سب سے پہلے میں ایچ آر سی پی کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتی ھوں کہ انہوں نے خواتین بلدیاتی کونسلران کے لئے علم و آگاہی کے حوالے سے ایک بہترین معلوماتی پروگرام کا انعقاد کیا۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ایسے پروگراموں کا فقدان ہے۔ اس ایک روزہ ورکشاپ کے دوران بلدیاتی نظام، خواتین کونسلران کے اختیارات کے متعلق جو جانکاری ہمیں ملی اس سے قبل اس حوالے سے ہمارے پاس معلومات نہیں تھیں۔

ماہ نور: ہمارا معاشرہ تب تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک خواتین آگے نہیں آئیں گی۔ سب سے پہلے خواتین کو آگے آنا چاہیے خواتین کو اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے تعلیم پر زور دینا چاہیے۔

فضیلہ محمد خان

آج کا سیشن میرے لیے بہت اچھا ہے۔ اس سے پہلے مجھے خواتین کے حقوق خواتین کونسلران کے اختیارات کے متعلق جانکاری حاصل نہیں تھی۔ قبل ازیں مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھی کہ ہمارے اختیارات کیا ہیں، ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں، بجٹ کیا ھوتا ہے، بجٹ منظور کرنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے حق کے لیے لڑنا بھی چاہئے تب ہی ہمیں ہمارا حق ملے گا۔ ہمیں کونسلرز کے فنڈز کے بارے میں بھی پتہ ہونا چاہیے۔ خواتین کونسلرز کے فنڈز بھی مردوں کے جیب میں جاتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہمیں فنڈز ملا ہی نہیں ہے۔ ہم خواتین کو اپنے حق کیلئے باہر نکلنا چاہیے۔ بہت سے خواتین ایسے ہیں جن کو اپنے حقوق کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم ہی نہیں۔

(ایچ آر سی پی، کوئٹہ چیپٹر)

کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہئے؟

ایچ آر سی پی نے ”کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہئے؟“ کے موضوع پر یونیورسٹی سطح کے تقریری مقابلوں کا انعقاد کیا

کوئٹہ 17 مئی 2016ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے بلوچستان کی واحد خواتین یونیورسٹی، سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں طالبات کے درمیان " کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہیے؟ " کے عنوان پر تقریری مقابلہ کا انعقاد کیا گیا۔قبل ازیں یونیورسٹی کے اندر فائنل مقابلے میں حصہ لینے کے لئے مختلف ڈیمارٹمنٹس کی طالبات کے درمیان تقریری مقابلہ کا انعقاد کیا گیا جس میں تقریبا دوسو طالبات نے حصہ لیا جن میں سے 65 طالبات کو فائنل مقابلے کے لئے چنا گیا۔ 17 مئی 2016ء کو فائنل مقابلے کی تقریب کی صدارت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئرپرسن طاہر حسین ایڈووکیٹ نے کی۔مہمان سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی کی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر رخسانہ جبین تھیں جبکہ اعزازی مہمانوں میں ممتاز ماہر تعلیم و سابق سیکرٹری محکمہ تعلیم منیر احمد بادینی ،ایچ آر سی پی کے پروگرام حفیظ احمد بزدار اور ریسرچ آفیسر امیر جان جمالدینی شامل تھے۔ ایچ آر سی پی کے پروگرام منیجر حفیظ بزدار نے تقریری مقابلے کے مقاصد کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق یہ سمجھتا ہے کہ انسانی حقوق کی تعلیم کی نصاب میں شمولیت سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر ممکنہ حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ہمارے لئے یہ بات حیرانگی کی باعث ہے کہ اگر ملک کے آئین میں انسانی حقوق کے متعلق تمام آرٹیکلز شامل ہیں تو نصاب میں کیوں انسانی حقوق کی تعلیم کو شامل نہیں کیا گیا۔اگر انسانی حقوق کی تعلیم کو پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک کے نصاب میں شامل کیا جائے تو یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج ہم جس انسانی المیہ کا شکار ہیں شاید ایسی صورتحال سے بچا جا سکے۔بعدازاں حفیظ بزدار نے ججز کا تعارف کرایا جن میں آیچ آرسی پی کے دو ججز جن میں پروفیسر زیب النسا لونی اور ایس ایس پی پولیس سردار موارن خان اور دو ججز جناب ڈاکٹر ضیاء الرحمان اور محترمہ کرن صاحبہ کا تعلق سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی کے سٹاف سے تھا۔ججز کے تعارف کے بعد طالبات اور دیگر شرکاء کو انسانی حقوق کے متعلق مختلف دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں جنہیں شرکاء خصوصاً طالبات نے بے حد سراہا۔طالبات کی جانب سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ دکھائی گئی دستاویزی فلموں کی کاپیاں انہیں فراہم کی جائیں۔ دستاویزی فلموں کے بعد تقریری مقابلے کا سیشن شروع کیا گیا جس میں 65 کے قریب طالبات نے حصہ لیا۔تمام طالبات نے موضوع کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ہم جو علم حاصل کر رہے ہیں اس میں قصے کہانیاں تو بہت ہیں مگر انسانی حقوق کے متعلق ہمارے نصاب میں کسی قسم کا کوئی مضمون نہیں۔مضمون اپنی جگہ ایک پیراگراف تک نہیں ملتا۔اگر تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کو شامل کر کے ابتداء سے ہی طلباء و طالبات کو انسانی حقوق کے متعلق پڑھایا جائے تو عین ممکن ہے کہ ہم جس صورتحال کا آج سامنا کر رہے ہیں شاید اس طرح کی صورتحال ہمیں پیش نہ آئے۔انسانی حقوق کی تعلیم کو پرائمری سے شروع کیا جائے اور یونیورسٹی میں اس کے لئے ایک الگ شعبہ تخلیق کیا جائے جہاں طلباء و طالبات انسانی حقوق کے متعلق پی ایچ ڈی کریں۔اگر ہم انسانی حقوق کی تعلیم کو عام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم انسانیت کی معراج تک پہنچ سکتے ہیں۔طالبات کی جانب سے مقررہ وقت میں اپنی اپنی تقاریر ختم کرنے بعد طالبات وسامعین کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے پرتکلف لنچ کرایا گیا۔ لنچ کے وقفے کے بعد شرکاء کو مختلف ستاویزی فلمیں دکھائی گئی اور ایچ آرسی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ بزدار نے ایچ آرسی پی کی ویب سائٹ اور ریڈیو کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ایچ آرسی پی ایک ویب ٹی وی کا آغاز کر رہا ہے جس کا مقصد سوچ کی تبدیلی ہے جو کہ ملک کی ترقی اور انسانی حقوق کی پاسداری میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔سوچ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دنیا میں انقلاب اور اصلاح عظیم لوگوں سوچ کا ہی نتیجہ ہے۔حفیظ بزدار نے پروگرام میں شامل لوگوں سے اس کاوش میں اپنا حصہ ڈالنے کی اپیل کہ جس پر طالبات اور سامعین نے اتفاق کیا۔پروگرام کے دوسرے سیشن میں ججز نے نتائج کا اعلان کیا جس میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کی طالبہ سفینہ خان کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے پچاس ہزار روپے نقد، کتابیں، شیلڈ اور دوستاویزی فلموں کی سی ڈیز دی گئیں۔ دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی بائیوٹیک ڈیپارٹمنٹ کی طالبہ خوش بخت کو تیس ہزار روپے نقد، شیلڈ اور دوستاوزی فلموں کی سی ڈیز دی گئیں جبکہ تیسری پوزیشن حاصل کرنے والی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی طالبہ رافعہ نور کو بیس ہزار روپے نقد، شیلڈ، کتابیں اور دستاویزی فلموں کی سی ڈیز دی گئیں۔بعدازاں اعزازی مہمانوں کو خطاب کی دعوت دی گئی ۔تقریب سے سابق سیکرٹری تعلیم بلوچستان وممتاز دانشور اور مختلف کتابوں کے مصنف منیر احمد بادینی نے طالبات اور شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جو کام ہمیں کرنا چاہیئے تھا وہ ہم نہ کر سکے مگر مجھے خوشی ہے کہ آج پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ذمہ داران نے اس احسن کام کی ابتداء کی ہے۔انسانی حقوق کے متعلق تعلیم وہ علم ہے جس کا تعلق انسانی تربیت سے ہے۔اگر ہم انسانی حقوق کی تعلیم کو اپنے نصاب کا حصہ بناتے تو نہ ہماری نسلیں تباہ ہوتیں، نہ ہمارا مستقبل مخدوش ہوتا اور نہ آج ہم خطرناک صورتحال سے دو چار ہوتے۔انسانی حقوق کی تعلیم کے بغیر معاشرہ کا ترقی کرنا اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا شاید ممکن نہ ہو۔اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت فوری طور پر نصاب تشکیل دینے والے ادارے کو اس بات کا پابند بنائیں کہ وہ تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کے متعلق نہ صرف مضامین شامل کریں بلکہ اسے مکمل ایک مضمون کے طور پر متعارف کروائیں۔پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان کے وائس چیئرپرسن طاہر حسین ایڈووکیٹ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے یہ محسوس کیا کہ ہماری آنے والی نسلوں کو انسانی حقوق کے متعلق ابتداء ہی سے آگاہی حاصل ہوتا کہ ہم انسانی المیوں کا شکار ہونے

> پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق یہ سمجھتا ہے کہ انسانی حقوق کی تعلیم کی نصاب میں شمولیت سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر ممکنہ حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ہمارے لئے یہ بات حیرانی کا باعث ہے کہ اگر ملک کے آئین میں انسانی حقوق کے متعلق تمام آرٹیکلز شامل ہیں تو نصاب میں کیوں انسانی حقوق کی تعلیم کو شامل نہیں کیا گیا۔اگر انسانی حقوق کی تعلیم کو پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک کے نصاب میں شامل کیا جائے تو یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج ہم جس انسانی المیہ کا شکار ہیں شاید ایسی صورتحال سے بچا جا سکے۔

سے بچ جائیں۔اس کے لئے ہماری نظر میں بہترین انتخاب تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی شمولیت ہے۔ یہ مباحثے ہم پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں کروا رہے ہیں تا کہ طلباء و طالبات کو انسانی حقوق کے متعلق جانکاری حاصل ہو۔تقریب کے اختتام پر سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی کی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر رخسانہ جبین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ادارے میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا پروگرام ہے جس میں طلباء کو انسانی حقوق کے متعلق شعور و آگاہی فراہم کی جارہی ہے۔ بحیثیت ایک استاد کے میں سمجھتی ہوں کہ انسانی حقوق کی تعلیم کے بغیر حصول علم ممکن نہیں اس لئے ضروری ہے کہ تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کے متعلق مضامین شامل کئے جائیں۔ اس کے لئے ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی پالیسوں کے مطابق اپنا لائحہ عمل

> قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا ایک سیکولر فلاحی جمہوری ریاست کا خاکہ اپنے 11 اگست 1947ء کے خطاب میں پیش کیا تھا جو کہ آج ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔اس معاشرے میں انسانی حقوق کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ناگفتہ بہ حالات ہیں۔اب بھی ہمارے پاس وقت ہے کہ حکومت تعلیمی نصاب کو ترتیب دینے والے اداروں کو پابند بنائے کہ وہ نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کے متعلق مضامین شامل کریں۔

ترتیب دیکر تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کے متعلق طالبات کو جانکاری فراہم کریں۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے تمام عہدیداروں کا میں ذاتی طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے ایک نتیجہ خیز تقریری مقابلہ کا انعقاد کر کے ہماری طالبات میں انسانی حقوق کے متعلق شعور پیدا کیا۔تقریری مقابلے کے اختتام پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی طرف سے واک کا اہتمام کیا گیا۔مباحثہ میں شامل تمام شرکاء اور سامعین نے واک میں حصہ لے کر انسانی حقوق کی علمبرداری اور مساوات کا ثبوت دیا۔

کوئٹہ 21 مئی 2016ء

’’کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہیے؟‘‘

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ آڈیٹوریم میں " کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہیے " کے عنوان سے تقریری مقابلہ منعقد کیا گیا۔تقریری مقابلہ سے ایک ہفتہ قبل فائنل مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے ڈین اسٹوڈنٹ افیئر پروفیسر محمد اکرم دوست جمالدینی کی نگرانی میں یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات سے تقریباً سو کے قریب طلباء و طالبات کے درمیان تقریری مقابلہ کا انعقاد کیا گیا جس میں مجموعی طور پر 35 طلباء و طالبات فائنل مقابلے کے لئے منتخب ہوئے۔فائنل مقابلے میں حصہ لینے سے قبل طلباء طالبات کے درمیان تقریری مقابلے کا ٹرائل لینے کا فیصلہ یونیورسٹی انتظامیہ کا اپنا فیصلہ تھا۔تقریری مقابلے کی تقریب کی صدارت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئر پرسن طاہر حسین ایڈووکیٹ نے کی جبکہ مہمان خصوصی بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر جاوید اقبال تھے۔ دیگر مہمانوں میں ڈین فیکلٹی پروفیسر اکرم دوست جمالدینی، رجسٹرار طارق جوگیزئی، ایچ آر سی پی بلوچستان کے کوارڈینیٹر فرید احمد شاہوانی، ریسرچ آفیسر امیر جان جمالدینی ، شمس الملک مندوخیل اور دیگر افراد شامل تھے۔ پروگرام کے منتظمین میں ایچ آر سی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ احمد بزدار اور کوارڈینیٹر محمد یونس شامل تھے۔ پروگرام کے آغاز میں ججز کا تعارف کیا گیا جن میں ایچ آر سی پی کے طرف سے سردار موارن خان اور حفیظ بزدار شامل تھے جبکہ یونیورسٹی کی جانب سے میڈم شگفتہ اور مس حسن آراء مگسی شامل تھیں۔ تقریری مقابلے میں پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے طلباء و طالبات کے لئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے نقد انعامات رکھے گئے تھے جن میں پہلا انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 50,000 روپے دوسرا انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 30,000 روپے اور تیسرا انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 20,000 روپے شامل تھے۔ تقریری مقابلے کے آغاز سے قبل پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے پروگرام منیجر حفیظ بزدار نے ہال میں موجود تمام سامعین ،طلباء و طالبات ججز اور اساتذہ کرام کو کمیشن کی جانب سے تقریری مقابلے میں شرکت کرنے پر خوش آمدید کہا اور تقریری مقابلے کے اصل مقاصد کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایچ آر سی پی یہ محسوس کر رہا ہے کہ جب تک طلباء کو انسانی حقوق کے متعلق تعلیم سے روشناس نہیں کرایا جائے گا تب تک علم کے بنیادی اصولوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں ۔ ہماری نظر میں پریشان کن بات یہ ہے کہ پاکستان کے آئین میں انسانی حقوق کے متعلق تمام آرٹیکلز موجود ہیں مگر نصاب میں ان کو شامل نہیں کیا جاتا حالانکہ نصاب ہی آپ کی نئی جنریشن کی تربیت کی بنیاد ہوتا ہے۔ ان تمام ضرورتوں کو محسوس کرتے ہوئے اس حوالے سے ہم طلباء و طالبات کی رائے جاننے کے لئے ان کے درمیان اسی موضوع پر تقریری مقابلے کا انعقاد کر رہے ہیں تا کہ وہ خود اس بات کا فیصلہ کریں کہ تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیمی کی کتنی اہمیت و ضرورت ہے۔افتتاحی کلمات کے بعد حفیظ بزدار نے طلباء و طالبات کو ایک ایک کر کے تقریر کرنے کی دعوت دی۔ 35 کے قریب طلباء و طالبات نے مجموعی طور پر موضوع کے حق میں دلیل

> پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے یہ محسوس کیا کہ ہماری آنے والی نسل کو انسانی حقوق کے متعلق ابتداء ہی سے آگاہی حاصل ہوتا کہ ہم انسانی المیوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔اس کے لئے ہماری نظر میں بہترین انتخاب تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی شمولیت ہے۔ یہ مباحثے ہم پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں کروا رہے ہیں تا کہ طلباء کو انسانی حقوق کے متعلق جانکاری حاصل ہو۔ہمیں خوشی ہے کہ بلوچستان یونیورسٹی کے طلباء ،اساتذہ کرام اور خصوصاً وائس چانسلر صاحب نے اس کاوش میں بہتر انداز میں ساتھ دیا۔

دیتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کی تعلیم نصاب میں آج سے نہیں بلکہ شروع دن سے ہونی چاہیئے تھی۔ اگر پاکستان بننے کے بعد تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کو بطور مضمون شامل کیا جاتا تو آج جس المیہ سے ہم گزر رہے ہیں یا ہمارا ملک جس دہشت گردی کا شکار ہے اس افسوسناک صورتحال کا ہمیں سامنا نہ کرنا پڑتا۔طلباء و طالبات کو اگر پرائمری کی سطح پر انسانی حقوق کے متعلق جانکاری دینے کی کوشش کی جائے تو وہ مڈل ، ہائی ، کالج اور یونیورسٹی لیول تک پہنچ کر انسانی حقوق کے متعلق باعلم ہو کر عملی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرے میں ہر تعلیم یافتہ انسان دوسرے انسانوں کے حقوق کا بہتر انداز میں خیال رکھ سکتا ہے۔طلباء و طالبات نے بھی اس کے متعلق حیرت کا اظہار کیا کہ حقیقتاً یہ ایک انسانی المیہ ہے کہ ہمارے ملک کے آئین میں انسانی حقوق کے تمام آرٹیکلز کو تسلیم کیا ہے مگر نصاب میں اس کی شمولیت پر کوئی توجہ نہیں دی جارہی۔اسی وجہ سے معاشرے میں بے راہ روی اور انتہاء پسندی کے رجحانات جنم لے رہے ہیں۔قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا ایک سیکولر فلاحی جمہوری ریاست کا خاکہ اپنے 11 اگست 1947ء کے خطاب میں پیش کیا تھا جو کہ آج ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔اس معاشرے میں انسانی حقوق کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے

ناگفتہ بہ حالات ہیں۔ اب بھی ہمارے پاس وقت ہے کہ حکومت تعلیمی نصاب کو ترتیب دینے والے اداروں کو پابند بنائے کہ وہ نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کے متعلق مضامین شامل کریں۔ طلباء طالبات کی جانب سے موضوع کے حق میں مدلل انداز میں کی جانے والے تقاریر سے ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ تقریری مقابلے کے نتائج کا ججز نے اعلان کیا جس کے مطابق پہلا انعام پچاس ہزار نقد، شیلڈ اور کتابیں شعبہ فائن آرٹس کے طالب علم حنان منیر نے حاصل کیا۔ دوسرا انعام تیس ہزار نقد، شیلڈ اور کتابیں سیدہ زوبیہ کاظمی نے حاصل کیا جبکہ تیسرا انعام بیس ہزار روپے نقد، شیلڈ اور کتابیں ندیم احمد نے حاصل کیا۔

ایچ آر سی پی بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئر پرسن محترم طاہر حسین ایڈووکیٹ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے یہ محسوس کیا کہ ہماری آنے والی نسل کو انسانی حقوق کے متعلق ابتداء ہی سے آگاہی حاصل ہو تاکہ ہم انسانی المیوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ اس کے لئے ہماری نظر میں بہترین انتخاب تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی شمولیت ہے۔ یہ مباحثے ہم پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں کروا رہے ہیں تاکہ طلباء کو انسانی حقوق کے متعلق جانکاری حاصل ہو۔ ہمیں خوشی ہے کہ بلوچستان یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ کرام اور خصوصاً وائس چانسلر صاحب نے اس کاوش میں بہتر انداز میں ساتھ دیا۔

پروگرام کے اختتام پر مہمان خصوصی بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر جاوید اقبال نے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ میں بھی اس کارواں میں شامل رہا ہوں۔ انسانی حقوق کے متعلق جدوجہد میں اس پلیٹ فارم سے تعلق رکھنے والے کارکنوں کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک اہم اور بنیادی نقطے پر تقریری مقابلے کا انعقاد کیا ہے۔ مجھے یہ دیکھ بہت خوشی ہوئی کہ تقریری مقابلے میں حصہ لینے والے طلباء و طالبات نے موضوع کے حق میں بہترین الفاظ اور دلیل کے ساتھ بات کی۔ مقابلہ کی پہلی تین پوزیشنیں لینے والے طلباء و طالبات اپنی جگہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مقابلہ میں حصہ لینے والے تمام طلباء و طالبات منتخب موضوع کے ساتھ انصاف کر کے اسی تقریب میں بیٹھے ہوئے تقریباً چار سو کے قریب دیگر سامعین کو یہ بتانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ انسانی حقوق کیا ہے اس کی تعلیم کی کیا اہمیت ہے اور تعلیمی نصاب میں اس کی شمولیت کیوں ضروری ہے۔ اس موقع پر جامعہ بلوچستان کے وائس چانسلر نے اعلان کیا کہ عنقریب یونیورسٹی میں انسانی حقوق کے متعلق کلاسوں کا اجراء کیا جائے گا اور مستقبل میں انسانی حقوق کے متعلق باقاعدہ طور پر ایک شعبہ قائم کیا جائے گا تاکہ انسانی حقوق کی پاسداری اور شعور و آگاہی کو تعلیمی ادارے کے ذریعے پروان چڑھایا جا سکے۔ قبل ازیں طلباء و طالبات کو انسانی حقوق کے متعلق دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں اور ایچ آر سی پی کے پروگرام منیجر حفیظ بزدار نے ایچ آر سی پی کی ویب سائٹ اور ریڈیو کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ایچ آر سی پی ایک ویب ٹی وی چینل کا آغاز کر رہا ہے جس کا مقصد

> دینی مدرسوں اور سرکاری سکولوں میں **30** برس تک انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا ملک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ یہ جدوجہد انسانی جانوں، قومی ترقی اور فلاح و بہبود کی خوفناک قیمت پر جاری ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں اس صورتحال کو چیلنج نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں نوجوان پاکستانیوں کی ایک اور نسل کو اس طرح کی نظریاتی تعلیم کا شکار ہونا پڑے گا جس نے آج ہمیں ایک خوفناک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

سوچ کی تبدیلی ہے جو کہ ملک کی ترقی اور انسانی حقوق کی پاسداری میں اہم کردار ادا کریں گے۔ ویب ٹی وی چینل میں تمام طلباء اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں کہ وہ کسی بھی جگہ کسی ناانصافی کے خلاف سیکنڈوں کی ویڈیو ہمیں ارسال کریں ہم اسے اپنے ویب ٹی وی کے ذریعے اجاگر کریں گے۔ تقریری مقابلے کے اختتام پر آگاہی واک کا بھی اہتمام کیا گیا۔ واک جامعہ بلوچستان کے آرٹ فیکلٹی سے شروع ہو کر سائنس فیکلٹی پر اختتام پذیر ہوئی جس میں وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈین فیکلٹی پروفیسر ڈاکٹر اکرم دوست، رجسٹرار محمد طارق جوگیزئی، ایچ آر سی پی بلوچستان چیپٹر کے وائس چیئرمین طاہر حسین ایڈووکیٹ، بلوچستان کے کوارڈنیٹر ملک فرید احمد شاہوانی، ریسرچ آفیسر امیر جان جمالدینی، ممتاز مضمون نویس شمس الملک مندوخیل پروفیسر صاحبان اور طلباء و طالبات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ پروگرام کے اختتام پر طلباء طالبات مہمانان گرامی اور سامعین کو ایچ آر سی پی کی جانب سے پر تکلف لنچ دیا گیا اور طلباء و طالبات میں انسانی حقوق سے متعلق کتابیں اور سی ڈیز تقسیم کی گئیں۔ طلباء طالبات کا مطالبہ تھا کہ آئندہ بھی ایچ آر سی پی بلوچستان میں اس طرح کی تقریبات کا انعقاد کرے تاکہ طلباء و طالبات انسانی حقوق کی تعلیم سے روشناس ہو جائیں۔

لاہور 28 مئی 2016ء

''کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہیے''

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام لاہور کی یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب میں " کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا حصہ ہونی چاہیے " کے عنوان سے 28 مئی 2016ء کو طالبعلموں کے درمیان ایک تقریری مقابلے کا انعقاد کیا گیا۔ 57 طلباء و طالبات نے مقابلے میں حصہ لینے کا عندیہ دیا جبکہ بہت سے طلبہ و طالبات سامعین کے طور پر ہال میں موجود تھے۔ مباحثہ شروع ہونے سے پہلے ایچ آر سی پی کی طرف سے ہال میں موجود سٹوڈنٹس کو دو دستاویزی فلمیں " ضمیر کی عینک " اور " ہم انسان " دکھائی گئیں جن کو طالب علموں کی طرف سے کافی سراہا گیا اور ان کے مطالبے پر ان دستاویزی فلموں کی سافٹ کاپی ان کو مہیا کی گئی۔ اسکے علاوہ طالب علموں کو ایچ آر سی پی کی طرف سے پڑھنے کے لیے لٹریچر بھی دیا گیا۔

مباحثہ کے منتظمین میں ایچ آر سی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ احمد بزدار اور اسسٹنٹ منیجر یو سی پی شاہد نسیم تھے جنہوں نے تقریری مقابلے سے 7 دن پہلے طالب علموں کا آڈیشن لیا اور رجسٹریشن کی۔ پروگرام اپنے مقررہ وقت پر شروع ہوا اور طالب علموں کی ایک کثیر تعداد وہاں موجود تھی۔

پروگرام کے ججز کی تعداد چار لوگوں پر مشتمل تھی جن میں سے دو جج حضرات جناب وقار مصطفیٰ اور جناب ندیم عباس کا تعلق ایچ آر سی پی سے تھا۔ باقی دو ججوں جناب پروفیسر کرار حیدر اور محترمہ جناب لیکچرر صباء جاوید کا تعلق یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب سے تھا۔

پروگرام آفیسر حفیظ احمد نے پروگرام کی میزبانی کرتے ہوئے سب سے پہلے تمام ہال میں موجود تمام ججز اور یونیورسٹی کے طالبعلموں کو خوش آمدید کہا اور اپنا اور اپنے ادارے کا مختصر تعارف کرایا۔ اور اسکے بعد انہوں نے سب سے پہلے عمر فاروق کو مدعو کیا کہ وہ آئیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ یہ سلسلہ دن 11 بجے تک جاری رہا۔ اسکے بعد آدھے گھنٹے کے وقفہ کے دوران طلبا کو دو مزید دستاویزی فلمیں " سوہیں ہم بھی آدمی " اور " انصاف سب کے لیے " دکھائی گئیں جن کو طالب علموں نے بہت پسند کیا۔

مباحثے میں حصہ لینے والے تین مقررین کو انعامات کا حقدار قرار دیا گیا۔ پہلا انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 50,000 روپے علینہ راجا کو ملا۔ دوسرا انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 30,000 روپے رخشان امیر کو دیا گیا۔ تیسرے انعام ٹرافی، کتابیں اور نقد رقم 20,000 روپے کی حقدار عتیقہ صدیقی قرار پائیں۔

آخر میں یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب کے ریکٹر ڈاکٹر ظفراللہ خان نے انعام حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات میں ٹرافی، کتابیں اور نقد انعامات تقسیم کیے اور ایچ آر سی پی کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ دینی مدرسوں اور سرکاری سکولوں میں 30 برس تک انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا ملک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ یہ جدوجہد انسانی جانوں، قومی ترقی اور فلاح و بہبود کی خوفناک قیمت پر جاری ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں اس صورتحال کو چیلنج نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں نوجوان پاکستانیوں کی ایک اور نسل کو اس طرح کی نظریاتی تعلیم کا شکار ہونا پڑے گا جس نے آج ہمیں ایک خوفناک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ فوری طور پر نئی قومی پالیسی کے

> طلباء و طالبات کو اگر پرائمری کی سطح پر انسانی حقوق کے متعلق جانکاری دینے کی کوشش کی جائے تو وہ مڈل، ہائی، کالج اور یونیورسٹی لیول تک پہنچ کر انسانی حقوق کے متعلق باعلم ہو کر عملی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرے میں ہر تعلیم یافتہ انسان دوسرے انسانوں کے حقوق کا بہتر انداز میں خیال رکھ سکتا ہے۔

بارے میں قومی سطح پر کھلی بحث کی جائے جیسا کہ آج ایچ آر سی پی نے اس تقریری مقابلے کا اہتمام کیا اور ہمارے نوجوان طالب علموں کے درمیان انسانی حقوق کی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا اور ہمیں ضیاء دور سے ورثے میں ملنے والے تعلیمی نظام سے چھٹکارا دلانے کی کوشش کی گئی۔ ڈاکٹر ظفراللہ خان نے آخر میں ایک بار پھر ایچ آر سی پی کے سب ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور کامیاب مباحثہ منعقد کرنے پر مبارکباد دی۔

گلگت بلتستان 3 جون 2016ء

کیا انسانی حقوق کی تعلیم نصب کا حصہ ہونی چاہیے؟

تعارف: یہ تقریب پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کے تعاون سے قراقرم یونیورسٹی کے مشرف ہال میں صبح 9 بج کر 30 منٹ پر شروع ہوئی۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ریجنل کوآرڈینیٹر اسرار الدین اسرار نے پروگرام کے انعقاد کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق گلگت بلتستان میں 2010ء سے انسای حقوق کے تحفظ کے لئے کام کر رہا ہے۔ انسانی حقوق کی جدوجہد میں تین چیزیں اہم ہیں۔(1) انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو مانیٹر کرنا (2) تعلیم، شعور اور آگاہی کو فروغ دینا (3) کمیونٹی کو اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانے کی ترغیب دینا۔

اس کے بعد ایچ آر سی پی کی جانب سے ایک دستاویزی فلم پیش کی گئی جس میں دنیا بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو بھی اجاگر کیا گیا۔ دستاویزی فلم میں انسانی حقوق کے لئے آواز اٹھانے کی ترغیب دی گئی۔ اس فلم کے بعد سٹیج سیکرٹری محمد ظفر شاکر، اسسٹنٹ پروفیسر قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی نے تقریری مقابلے کا طریقہ کار بتایا اور ججز کا تعارف کرایا۔ چار ججز کے پینل میں جناب ڈاکٹر سردار علی، اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف فوڈ اینڈ ایگریکلچر، جناب سلطان احمد ہیڈ آف میڈیا اینڈ کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ، جناب عزیز علی داد پروفیسر اینڈ ریسرچر اور محترمہ سمیرا یاسمین لیکچرر فاطمہ جناح ڈگری کالج شامل تھے۔

ججز کے تعارف کے بعد تقریری مقابلے کا آغاز ہوا جس میں یونیورسٹی کے ہر ڈیپارٹمنٹ سے طلبا و طالبات نے عنوان کی حمایت میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس میں انہوں نے بھرپور مطالبہ کیا کہ انسانیت کے فروغ کے لئے انسانی حقوق کی تعلیم کو نصاب کا حصہ ہونا چاہئے۔ یونیورسٹی کے تمام ڈیپارٹمنٹس سے 32 طلبہ و طالبات نے تقریری مقابلے میں حصہ لیا۔ مقررین نے انسانی حقوق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب انسانی حقوق کا ذکر قرآن اور آئین میں موجود ہے تو ان کو لازمی طور پر نصاب کا بھی حصہ ہونا چاہئے۔

مقررین کا مطالبہ تھا کہ انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا صرف حصہ ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہونی چاہئے۔ انسانی حقوق سے نا آشنائی کی وجہ سے معاشرے میں انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ رنگ و نسل اور فرقہ وارانہ امتیازات کو ختم کرنے کے لئے انسانی حقوق کی تعلیم اور فروغ شرط اول ہے۔

مقامی شاعری: تقریب میں مقامی شاعری سناتے ہوئے گلگت بلتستان کے نامور شعراء جناب عبدالحفیظ شاکر، جناب غلام عباس نسیم، جناب جمشید خان دکھی اور جناب عبدالخالق تاج نے گلگت بلتستان کی جغرافیائی اہمیت اور ثقافت کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی پاسداری کا پیغام اپنی شاعری کے ذریعے اجاگر کیا۔

واک: لنچ بریک سے پہلے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی طرف سے واک کا اہتمام کیا گیا۔ مباحثہ میں شامل تمام شرکاء اور سامعین نے واک میں حصہ لے کر انسانی حقوق کی علمبرداری اور مساوات کا ثبوت دیا۔

ایچ آر سی پی ویب سائٹ اور ریڈیو کا تعارف: پروگرام آفیسر ایچ آر سی پی حفیظ بزدار نے ایچ آر سی پی ویب ٹی وی اور ریڈیو کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ایچ آر سی پی ایک ٹی وی چینل کا آغاز کر رہا ہے جس کا مقصد سوچ کی تبدیلی ہے جو

> انسانی حقوق کی تعلیم نصاب کا صرف حصہ ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہونی چاہئے۔ انسانی حقوق سے نا آشنائی کی وجہ سے معاشرے میں انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ رنگ و نسل اور فرقہ وارانہ امتیازات کو ختم کرنے کے لئے انسانی حقوق کی تعلیم کا فروغ شرط اول ہے۔

کہ ملک کی ترقی اور انسانی حقوق کی پاسداری میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سوچ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دنیا میں انقلاب اور اصلاح عظیم لوگوں سوچ کا ہی نتیجہ ہے۔ حفیظ بزدار نے پروگرام میں شامل لوگوں سے اس کاوش میں ان کا ساتھ دینے کی اپیل کی۔

مہمان خصوصی: پروگرام کے مہمان خصوصی گلگت بلتستان سے وزیر اعلیٰ جناب حافظ محمد حفیظ الرحمن تھے۔ جناب شاہد صاحب ڈائریکٹر جنرل قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی نے وائس چانسلر ڈاکٹر آصف خان کی عدم شرکت پر ان کی نمائندگی کی۔ سٹیج سیکرٹری ظفر شاکر نے مہمان خصوصی وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان کو خوش آمدید کہا اور پروگرام کا مختصر تعارف کرایا۔

تقسیم انعامات: تقریری مقابلے میں یونیورسٹی کے 32 طلبہ و طالبات نے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا جن میں سے پہلی پوزیشن ڈیپارٹمنٹ آف میتھیمیٹکس کے جمال سعید نے حاصل کی۔ انہیں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے پچاس ہزار روپے نقد بطور انعام اور شیلڈ پیش کی گئی۔ دوسری پوزیشن دو طلبہ کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے ظفر علی اور ارتھ سائنس کے اسلام الدین نے حاصل کی۔ دونوں طلبہ کو بیس بیس ہزار روپے نقد اور انعامی شیلڈز دی گئیں۔ تیسری پوزیشن بھی دو طلبہ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے مظفر خان اور بزنس مینجمنٹ کے اقبال ناصر خان نے حاصل کی۔ ان دونوں طلبہ کو پندرہ پندرہ ہزار روپے نقد اور انعامی شیلڈز دی گئیں۔

تقسیم انعامات کے بعد مہمان خصوصی جناب حافظ محمد حفیظ الرحمن نے اپنے خطاب میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے انسانی حقوق پر روشنی ڈالی اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے لئے 20 لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا۔

اختتامی کلمات: تقریب کے اختتام پر قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کے پرووسٹ آفیسر ڈاکٹر منظور صاحب نے تمام مہمانوں خصوصاً پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا شکریہ ادا کیا اور تقریب کے اختتام کا اعلان کیا۔

حبس بے جا میں رکھا گیا

جھل مگسی اسسٹنٹ کمشنر گنداواہ ضلع جھل مگسی نے ویرانے سے گل حسن لاشاری کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ اپنے گھر جا رہا تھا۔ گل حسن کو دو دن بغیر کسی وجہ سے قید میں رکھا گیا۔ گل حسن کے ورثا نے ایڈیشنل سیشن جھل مگسی کو استدعا کی کہ دو دن سے ان کا فرد غیر قانونی طور پر اسسٹنٹ کمشنر گنداواہ امیر افضل گھمر کی حراست میں ہے۔ اس پر عدالت نے ریکارڈ قبضہ میں لے لیا۔ تحقیقات کی گئی تو گل حسن لاشاری پر کوئی مقدمہ درج نہیں تھا۔ جوڈیشل مجسٹریٹ نے فوری کارروائی کر کے گل حسن کو رہا کروا دیا۔ متاثرہ فریق کا مطالبہ ہے کہ اسسٹنٹ کمشنر گنداواہ امیر افضل گھمرو نے جو غیر قانونی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے، اس حوالے سے سیکرٹری داخلہ کو لکھا جائے اور اسسٹنٹ کمشنر کے خلاف باقاعدہ کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(رحمت اللہ ابرار)

19 اگست حیدر آباد: مقامی افراد کے عالمی دن پر ریلی کا اہتمام کیا گیا

بھانجے کو قتل کر دیا

راجن پور عیدالضحیٰ کے ایک دن بعد مقتول محمد آصف اپنی خالہ تاج مائی کو اس کے گھر پہنچانے کے لیے فقیر شاہ آیا۔ دو تین دن گزرنے کے بعد جب محمد آصف اپنے آبائی علاقہ فقیر شاہ واپس نہ آیا تو مقتول کا بھائی پریشان ہوا لیکن اس کا کہیں بھی پتہ نہ چلا اور اس کا موبائل بھی بند تھا۔ 24 جولائی کو موضع فقیر شاہ کے قبرستان کے درخت سے ایک لاش لٹکتی ہوئی نظر آئی۔ لوگوں کو بلایا گیا۔ لاش شناخت کے قابل نہیں تھی۔ ایک پاؤں بھی غائب تھا۔ بعدازاں نعش کی شناخت محمد آصف کے نام سے ہوئی۔ مقتول کی خالہ کے خلاف ایف آئی آر درج کی گئی۔ مقتول کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ مقتول کی خالہ اس کی شادی اپنی بیٹی سے کرنا چاہتی تھی مگر محمد آصف کے انکار پر اسے قتل کیا گیا اور اس کی نعش کو قبرستان میں ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔

(اجمل چانڈیہ)

مذہبی رہنما کا قتل

پشاور 19 اگست 2016 کو اکوڑہ خٹک سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالم دین غلام حضرت اپنے والد خواجہ محمد حضرت کے ہمراہ اخون آباد میں واقع جامع مسجد صدیق اکبر محبوبہ ڈھیری اخوان آباد نمبر 4، میں نماز جمعہ پڑھانے کے بعد گاڑی میں سوار ہو کر گھر واپس جا رہے تھے کہ اس دوران پھندو روڈ پر سرفراز کالونی کے قریب نامعلوم افراد نے ان کی گاڑی پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وہ تینوں شدید زخمی ہو گئے جنہیں فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا جہاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خواجہ محمد حضرت اور ان کے بیٹے غلام حضرت جاں بحق ہو گئے جبکہ خواجہ محمد حضرت کی اہلیہ شدید زخمی ہو گئی جبکہ ملزم ارتکاب جرم کے بعد فرار ہو گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر لیا تھا۔

(روزنامہ آج)

صحافی کو اغواء کرنے کی کوشش

ٹانک جولائی 2016 کو ٹانک میں ایک مقامی صحافی کو اغواء کرنے کی کوشش کی گئی جو مقامی لوگوں نے ناکام بنا دی۔ ٹانک کے مقامی صحافی اور روزنامہ صدائے حق کے بیورو چیف تنویر احمد شاہ کو ٹانک بازار میں اغواء کرنے کی کوشش کی گئی تاہم مقامی لوگوں نے مداخلت کر کے اغواء کاروں کی کوشش ناکام بنا دی۔ تنویر احمد شاہ کا کہنا ہے وہ اپنے دفتر سے رپورٹنگ کے لئے واپڈا کالونی جا رہا تھا کہ مین بازار دامان مارکیٹ کے قریب تاک میں بیٹے 3 افراد نے اس پر حملہ کیا۔ اس دوران ہاتھا پائی ہوئی اور ملزمان کی جانب سے فائرنگ کی گئی جس پر وہاں موجود لوگوں نے مداخلت کی اور اغوا کاروں کی کوشش ناکام بنا دی۔ تنویر احمد شاہ کا کہنا تھا کہ اغواہ کاروں میں سے ایک پاکستان تحریک انصاف کے ایم این اے داور خان کنڈی کا دست راست اسد ارائیں اور 2 دیگر نامعلوم افراد تھے۔ صحافی تنویر احمد شاہ کا کہنا ہے کہ پچھلے مہینے پاکستان تحریک انصاف کے ایم این اے داور خان کنڈی اور اس کے بھائی ضلعی ناظم ٹانک مصطفیٰ کنڈی نے بلدیہ کے غریب درجہ چہارم ملازمین کی تنخواہوں سے کٹوتی کی تھی جس پر انہوں نے یہ خبر مقامی اخباروں میں شائع کی۔ خبر شائع ہوتے ہی ایم این اے داور خان کنڈی کے مقامی کارندوں کی جانب سے اسے دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں اور چند روز پہلے اسد ارائیں جو کہ ایم این اے کا دست راست ہے نے ایک صحافی دوست زعفران میانی کے گھر جا کر داور خان کنڈی کے خلاف لکھنے سے منع کرنے سمیت مجھے اور ان کو جان سے مارنے اور اغواء کرنے کی دھمکیاں دی تھیں تاہم ہم نے معمول

فائرنگ کر کے مار ڈالا

کرم ایجنسی 25 اگست کو لوئر کرم ایجنسی کے علاقے علی زئی میں نامعلوم افراد نے تائید حسین نامی شخص کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ذرائع کے مطابق لوئر کرم کے علاقے علی زئی میں شام کو فائرنگ سنائی دی تھی۔ مقتول جب دیر تک گھر نہ آئے تو گھر والوں کو شک گزرا اور ان کی تلاش شروع کر دی۔ دو گھنٹے تلاش کے بعد رات کے بارہ بجے 32 سالہ تائید حسین ولد لعل حسین کی لاش دریائے کرم کے کنارے ملی جن کو گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔ مقتول حال ہی میں متحدہ عرب امارات سے گھر چھٹیوں پر آیا تھا۔ ان کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ ان کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے اور نہ ہی اب تک کسی نے ان کے قتل کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ پولیٹیکل انتظامیہ نے نامعلوم افراد کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر لیا تھا۔

(نامہ نگار)

معروف سیاسی رہنما کی یاد میں تقریب

حیدر آباد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے شہید نذیر عباسی یادگار کمیٹی کے تعاون سے شہید نذیر کی 36 ویں برسی پر ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں نذیر عباسی کی ملک کے لیے خدمات کو سراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کی ریاستی حراست میں ہونے والے قتل کی شدید مذمت کی۔ مقررین کا کہنا تھا کہ نذیر عباسی کو ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف جدوجہد پر قتل کر دیا گیا۔ کسان رہنما تاج مری، ترقی پسند سماجی رہنما اودیب منظور تھیم، انجمن ترقی پسند مصنفین کے عہدیدار کامریڈ اظہر علی، پنہل ساریو، ایڈووکیٹ سلیمان داہری، مسٹر جاوید، نذیر عباسی کے بھائی شہاب عباسی نے تقریب سے خطاب کیا۔

(ایچ آر سی پی، سپیشل ٹاسک فورس، حیدر آباد)

بلوچستان میں سی پی ای سی کو مقامی ملکیت قرار دینے کا مطالبہ

اسلام آباد: بلوچستان نیشنل پارٹی (بی این پی) کے سربراہ اختر مینگل نے کہا ہے کہ اگر چین۔ پاکستان اقتصادی راہداری (سی پی ای سی) کے فوائد یکساں طور پر صوبوں کو نہ ملے تو یہ گزرگاہ استحصال کا ذریعہ کہلائی جانے لگے گی۔ انہوں نے کہا کہ خصوصاً بلوچستان کو فائدہ نہ ملنے کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے اس لیے کہ اس گزرگاہ کا زیادہ تر حصہ بلوچستان ہی میں ہے۔ وہ اسلام آباد میں بی این پی کی طرف سے منعقد کئے گئے ایک سیمینار سے خطاب کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس منصوبے کا مرکزی حصہ بلوچستان میں ہے اس لیے بلوچستان کے تحفظات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ سیمینار کا موضوع تھا ''چین۔ پاکستان اقتصادی گزرگاہ۔ ترقی یا استحصال''۔

اختر مینگل نے کہا کہ 1953ء میں بلوچستان کے علاقے ڈیرہ بگٹی میں گیس دریافت ہوئی جو 1963ء میں ملک کے دور دراز علاقوں کو فراہم کی گئی لیکن اس پر ڈیرہ بگٹی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''میں کیسے یقین کرلوں کہ سی پی ای سی سے بلوچستان کو فائدہ پہنچے گا؟'' انہوں نے مزید کہا کہ سینڈک منصوبے کے تحت تانبہ اور سونا بلوچستان سے نکالا گیا۔ اس سے حاصل ہونے والے مالی فوائد کا 60 فیصد حصہ چین لے جاتا ہے جبکہ 38 فیصد وفاق لے جاتا ہے اور صرف دو فیصد حصہ بلوچستان کو ملتا ہے۔ ہم ترقیاتی کام چاہتے ہیں۔ ہم اس منصوبے کی حمایت کرتے ہیں لیکن استحصال کی قیمت پر نہیں۔ ہم اپنا جائز حق مانگتے ہیں اور اپنا استحصال نہیں ہونے دیں گے''۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے جنرل سیکرٹری آئی۔اے۔ رحمان نے کہا کہ بلوچستان کی محرومی کو ختم کرنے کا یہ سنہری موقع ہے۔ سی پی ای سی کے ذریعے بلوچستان کو اس منصوبے میں برابر کا شراکت دار بنا کر اور منصوبے کے حوالے سے کئے جانے والے فیصلوں میں صوبے کو شامل کر کے بلوچستان کی محرومی کو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ گوادر کی ملکیت مقامی آبادی کے حوالے ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ سی پی ای سی، جو کہ اقتصادی منصوبہ ہے، کو نظریاتی تضاد کا حصہ نہ بنایا جائے بلکہ یہ جو ہے، اس کو وہی رہنے دیا جائے۔ آئی۔اے۔ رحمان نے مزید کہا کہ گوادر میں مچھیروں کے ساتھ زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔ انہیں ان کے حقوق ملنے چاہئیں۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک سی پی ای سی کا تعلق ہے اس پر مقامی لوگوں کا کنٹرول ہونا چاہئے۔

عاصمہ جہانگیر نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''بلوچستان کو لوٹ کر لوٹ کا مال لاہور میں خرچ کرنے کو کسی صورت ترقی نہیں کہا جاسکتا۔ جب ہم ترقی کی نوعیت پر سوال کرتے ہیں تو ہمیں غدار قرار دے دیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ گوادر شوکیس ہے جس کا مقصد لوگوں کو متوجہ کرنا ہے لیکن بلوچستان میں ''نو گو ایریاز'' ہیں۔ ایسے علاقے ہیں جہاں لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ترقی کی آڑ میں مچھیروں کی زمینوں پر قبضہ نہیں کرنا چاہیے اور ان پر کثیر المنزلہ عمارتیں تعمیر نہیں کی جانی چاہئیں۔ یہ ترقی نہیں بلکہ یہ مقامی لوگوں کو کچلنے کے مترادف ہے۔

سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی سابق صدر عاصمہ جہانگیر نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''بلوچستان کو لوٹ کر لوٹ کا مال لاہور میں خرچ کرنے کو کسی صورت ترقی نہیں کہا جاسکتا۔ جب ہم ترقی کی نوعیت پر سوال کرتے ہیں تو ہمیں غدار قرار دے دیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ گوادر شوکیس ہے جس کا مقصد لوگوں کو متوجہ کرنا ہے لیکن بلوچستان میں ''نو گو ایریاز'' ہیں۔ ایسے علاقے ہیں جہاں لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ترقی کی آڑ میں مچھیروں کی زمینوں پر قبضہ نہیں کرنا چاہیے اور ان پر کثیر المنزلہ عمارتیں تعمیر نہیں کی جانی چاہئیں۔ یہ ترقی نہیں بلکہ یہ مقامی لوگوں کو کچلنے کے مترادف ہے۔ ساؤتھ ایشین سٹریٹیجک انسٹی ٹیوٹ (ساسی) کی سربراہ ماریہ سلطان نے کہا کہ گوادر محض وہ مرکز نہیں ہے جس سے دولت کمائی جا سکتی ہے بلکہ حکمت عملی کے حوالے سے بھی بہت زیادہ اہمیت کا علاقہ ہے۔ عالمی تجارت کا 70 فیصد گوادر کی بندرگاہ کے ذریعے سے ہوگا لیکن اس اہمیت کے باوجود گوادر کو عالمی سطح پر تاحال تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہمیں عالمی تجارت کا حصہ بننا ہے اس لیے ہمیں گوادر کو محض رابطے کا مرکز نہیں بنا دینا چاہئے بلکہ اس کو مینوفیکچرنگ کا مرکز بنانا چاہئے۔

ٹیلی وژن کے اینکر حامد میر نے کہا کہ بلوچستان کو بھرپور میڈیا کوریج دی جانی چاہئے۔ بلوچستان کے ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کے بارے میں پاکستان کے عوام کو پتہ ہی نہیں ہے۔ ڈیلی ٹائمز کے سابق ایڈیٹر راشد رحمان نے کہا کہ بلوچستان میں قومی سطح کی شورش جاری ہے۔ ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ طاقت کے دباؤ کے ذریعے کسی بھی معاشرے میں امن برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ بلوچستان کا مسئلہ سیاسی ہے اس لیے اس کو سیاسی طریقے سے حل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی صحیح معنوں میں ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ ٹیلی ویژن چینل کے اینکر سلیم صافی نے کہا کہ سی پی ای سی ایک ایسا اقتصادی منصوبہ ہے جس سے پورے علاقے کی صورتحال تبدیل ہو سکتی ہے لیکن اس کو سیاسی کھیل میں جیت قرار دے کر مسلم لیگ کی حکومت نے پوائنٹ سکورنگ کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کو وزیراعظم، وزیر منصوبہ بندی احسن اقبال اور سینیٹر مشاہد حسین نے معلومات چھپا کر متنازعہ بنا دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سی پی ای سی میں شفافیت ازحد ضروری ہے۔ سیمینار کا اختتام سینیٹر جہانزیب جمالدینی نے یہ کہہ کر کیا کہ ''ہم محرومی سے تنگ آ چکے ہیں۔ ہم ترقی چاہتے ہیں لیکن صوبے کو اقلیتی بنانے کی قیمت پر نہیں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سی پی ای سی کے حوالے سے قانون سازی کی جائے۔ اختیارات صوبوں کے حوالے کئے جائیں۔ فنی ادارے قائم کئے جائیں۔ متبادل جگہ دیئے بغیر مچھیروں کو گوادر سے نہ نکالا جائے اور اس حوالے سے انہیں اعتماد میں لیا جائے۔

(رپورٹ شاہ میر)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

گوادر

ڈاکٹر فرخ سلیم

گوادر سے کاشغر تک کے درمیان تین اہم کام ہونا باقی ہیں۔ پہلا نیشنل ہائی وے۔ 35 کی 887 کلومیٹر طویل شاہراہ کو بہتر بنانا ہے۔ یہ شاہراہ، قراقرم ہائی وے کا وہ حصہ ہے جو پاکستان کی حدود میں ہے۔ دوسرا مشرقی روٹ کو اور تیسرا کام مغربی روٹ کو بہتر طور پر قابل استعمال بنانا ہے۔ ریکارڈ کے لئے عرض ہے کہ مستقبل میں ان میں سے کوئی بھی روٹ ٹریفک کے لئے زیر استعمال آیا، تو فاصلہ کم وبیش تین ہزار کلومیٹر ہی رہے گا۔ چین پاکستان اکنامک کوریڈور کے دو اہم حصے ہیں۔ ان میں سے ایک ہے کوریڈور اور دوسرا ہے منصوبے۔ کوریڈور والے حصے پر لاگت کا تخمینہ تقریباً 11 بلین ڈالر یا کل لاگت کا 25 فیصد ہے جبکہ مختلف منصوبوں پر 34 بلین ڈالر کی لاگت کا تخمینہ ہے یعنی یہ لاگت کل لاگت کا 75 فیصد ہے۔

چین والے حصے میں آبادی کی صورتحال یہ ہے کہ چین کے اس حصے کا سب سے بڑا اور وسیع علاقہ گوانگ زو ہے۔ جس کی آبادی تقریباً ساڑھے چار کروڑ ہے۔ گوانگ زو کا کاشغر سے 5554 کلومیٹر دور ہے۔ جہاں تک آبادی کا تعلق ہے تو گوانگ زو کے بعد شنگھائی کا نمبر آتا ہے جس کے بعد بالترتیب چونگ کنگ، بیجنگ اور ہینگ جیسے شہروں کے نام آتے ہیں۔ چین کے سب سے زیادہ آبادی والے ان شہروں کا کاشغر سے فاصلہ چار ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے۔ چین کا سب سے بڑا صنعتی مرکز بیجنگ ہے جو کاشغر سے 4357 کلومیٹر دور ہے۔ صنعتی اعتبار سے بیجنگ کے بعد شنگھائی، شین زین اور گوانگ زو ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ شین زین وہ شہر ہے جہاں ہواوی، زیڈ ٹی ای، بی وائی ڈی آٹو موبائل (دوسروں کے علاوہ) کی مصنوعات کے کارخانے ہیں۔ گوانگ وو اکنامک اینڈ ٹیکنالوجیکل ڈویلپمنٹ زون اور گوانگ زو نانشا ایکسپورٹ پروسیسنگ زون اور گوانگ زو فری ٹریڈ زون کے طور پر دنیا بھر میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ چین کے صنعتی شہروں کا کاشغر سے فاصلہ پانچ ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے۔

چین والے حصے میں آبادی کی صورتحال یہ ہے کہ چین کے اس حصے کا سب سے بڑا اور وسیع علاقہ گوانگ زو ہے جس کی آبادی تقریباً ساڑھے چار کروڑ ہے۔ گوانگ زو کا کاشغر سے 5554 کلومیٹر دور ہے۔ جہاں تک آبادی کا تعلق ہے تو گوانگ زو کے بعد شنگھائی کا نمبر آتا ہے جس کے بعد بالترتیب چونگ کنگ، بیجنگ اور ہینگ جیسے شہروں کے نام آتے ہیں۔ چین کے سب سے زیادہ آبادی والے ان شہروں کا کاشغر سے فاصلہ چار ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے۔ چین کا سب سے بڑا صنعتی مرکز بیجنگ ہے جو کاشغر سے 4357 کلومیٹر دور ہے۔ صنعتی اعتبار سے بیجنگ کے بعد شنگھائی، شین زین اور گوانگ زو ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ شین زین وہ شہر ہے جہاں ہواوی، زیڈ ٹی ای، بی وائی ڈی آٹو موبائل (دوسروں کے علاوہ) کی مصنوعات کے کارخانے ہیں۔ گوانگ وو اکنامک اینڈ ٹیکنالوجیکل ڈویلپمنٹ زون اور گوانگ زونانشا ایکسپورٹ پروسیسنگ زون اور گوانگ زو فری ٹریڈ زون کے طور پر دنیا بھر میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ چین کے صنعتی شہروں کا کاشغر سے فاصلہ پانچ ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے۔

چین میں دو ہزار سے زیادہ بندرگاہیں ہیں جن میں سے 130 بندرگاہیں غیر ملکی جہازوں کے زیر استعمال ہیں۔ شنگھائی، شین زین، ننگبو۔ زوشان، کنگ ڈاؤ اور گوانگ زو وہ بندرگاہیں ہیں جو مال بردار جہازوں کے زیر استعمال ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ بندرگاہیں دنیا کی مصروف ترین بندرگاہوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک اور بات جس کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ چین کے تمام میٹروپولیٹن علاقے اور ان کے صنعتی مراکز چین کی بندرگاہوں سے صرف چند سو کلومیٹر کے فاصلوں پر ہیں۔ اب ہم بات کرتے ہیں گوادر کے ذریعے چین کو تیل مہیا کرنے کی۔ اس حوالے سے آپ یہ دیکھئے کہ ایڈمونٹن (کینیڈا) مونٹریال (کینیڈا) سے ساڑھے تین ہزار کلومیٹر دور ہے۔ ایڈمونٹن سے مونٹریال تک لائٹ خام تیل پہنچانے کی لاگت 45.58 ڈالر فی کیوبک میٹر ہے۔ اگر خام تیل گوادر سے چین کی بڑی آبادی والے علاقوں اور صنعتی مراکز تک پہنچایا جائے تو اس پر لگ بھگ 70 ڈالر فی کیوبک میٹر لاگت آئے گی۔ اب ذرا سعودی عرب سے چین کو تیل کی فراہمی کے متعلق دیکھئے۔ یہ ریکارڈ کی بات ہے کہ اس وقت چین کو خام تیل کی سب سے زیادہ فراہمی سعودی عرب سے ہوتی ہے۔ یہ سپلائی 1.112 ملین بیرل روزانہ ہے۔ اب آیئے اس پر اٹھنے والے اخراجات کی طرف۔ خام تیل کے بیس لاکھ ڈرم سعودی عرب سے جب چین کو جاتے ہیں تو اس پر 40 ہزار ڈالر روزانہ خرچ اٹھتا ہے اور بعض اوقات تو یہ اخراجات 80 ہزار ڈالر یومیہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سمندری ٹرانسپورٹ کے ذریعے تیل کی فراہمی پر اوسطاً 10 ڈالر فی کیوبک میر خرچ آئے گا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں گوادر کے ذریعے خام تیل کی فراہمی پر 70 ڈالر فی کیوبک میٹر خرچ اٹھے گا۔

اب ہم آتے ہیں جنوبی چین کے سمندر کی طرف۔ غیر ملکوں کے ساتھ تعلقات کی کونسل کے مطابق جنوبی چین کے سمندر کے حوالے سے (امریکہ۔ چین کے درمیان) تصادم کا خطرہ انتہائی اہم معاملہ ہے۔ حال ہی میں امریکہ نے اپنا طیارہ بردار جہاز جان سٹینس، دو تباہ کن جہاز، دو کروزر، دو تیز رو جنگی جہاز، تباہ کن جہازوں سمیت ساتواں بحری بیڑہ اس سمندری علاقے میں بھیجا۔ پیپلز لبریشن آرمی کی بحریہ کے پاس اس وقت 094 اے جن۔ کلاس سمیت 70 آبدوزیں ہیں جن میں 16 آبدوزیں نیوکلیائی ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ روس اور چین کی بحری افواج مشترکہ مشقیں کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں ساؤتھ چائنا سمندری تصادم کا سبب ''رسائی مخالف'' علاقے میں داخلے سے روکنا'' یا اے 2/اے ڈی ہے۔ دو بندرگاہ جہاں سامان وغیرہ کی ایک سے دوسرے جہاز میں منتقلی ہوتی ہے، گوادر کو چین کے لئے ایسی ہی بندرگاہ بنانا اقتصادی طور پر کوئی مثبت پہلو نہیں ہے اور یہ کوئی فائدہ مند اقدام نہیں ہوگا۔ گوادر سے چین تک کا سفر سات ہزار کلومیٹر سے 8000 کلومیٹر تک کا ہے اور ٹرکوں کے ذریعے اس راستے سے سامان لیجانا کوئی فائدہ مند نہیں ہوسکتا۔ اس سے مالی فوائد حاصل ہونا ناممکن ہے۔ نہ تو گوادر سے چین تک تیل لے جانا اقتصادی طور پر سود مند ہوگا اور نہ ہی چینی مصنوعات کو اس راستے سے گوادر تک لانا کوئی مالی منفعت کا باعث ہوسکتا ہے۔ شاید یہ صرف حربی اور تذویراتی اقدام ہے اور اب ہمارے مستقبل کا انحصار، اسی تذویراتی اور حربی پسندیدگی اور انتخاب پر ہوگا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ دی نیوز)

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق 22 جولائی سے 22 اگست کے دوران ملک بھر میں 204 افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں 73 خواتین شامل تھیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں 106 افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور 14 نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں 119 نے زہر کھا/پی کر، 31 نے خود کو گولی مار کر اور 30 نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے 204 واقعات میں سے صرف 23 واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
22جولائی	فرمان	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	امتحان میں فیل ہونے پر	زہرخورانی	چک 197رب، فیصل آباد	۔	روزنامہ نیوز
22جولائی	نعمان	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	امتحان میں فیل ہونے پر	زہرخورانی	جڑاں والا روڈ، فیصل آباد	۔	روزنامہ نیوز
22جولائی	۔	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شیر گڑھ، اختر آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
22جولائی	یعقوب	مرد	۔	60برس	شادی شدہ	بیماری سے تنگ آ کر	خودکو گولی مار کر	گاؤں 11/1اے ایل، رینالہ خورد	۔	روزنامہ نوائے وقت
22جولائی	زین حبیب	مرد	۔	16برس	غیرشادی شدہ	امتحان میں فیل ہونے پر	زہرخورانی	منڈی احمد آباد	۔	روزنامہ دنیا
22جولائی	فیاض	مرد	۔	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ٹبہ سہواں، بہاول پور	۔	روزنامہ دنیا
22جولائی	ساجد	مرد	۔	26برس	۔	۔	زہرخورانی	اوباڑو	۔	روزنامہ دنیا
23جولائی	اختیار احمد	مرد	۔	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ظفر آباد، رحیم یار خان	۔	روزنامہ دنیا
23جولائی	فرحان	مرد	۔	48برس	۔	۔	عمارت سے کود کر	ڈیفنس فیز5، کراچی	۔	روزنامہ دنیا
24جولائی	اسامہ	بچہ	۔	13برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں لکپانی کاٹلنگ، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
24جولائی	۔	خاتون	۔	۔	۔	۔	خودکو گولی مار کر	گاؤں خریزئی، مٹہ، سوات	درج	روزنامہ ایکسپریس
24جولائی	عابد	مرد	۔	19برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	میاں گانو کلے، تخت بھائی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
24جولائی	عثمان	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	اچھرہ، لاہور	۔	روزنامہ دنیا
24جولائی	قمر	مرد	۔	26برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بکر منڈی، ساہیوال	۔	روزنامہ دنیا
24جولائی	عرفان	مرد	۔	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	وارڈ نمبر 11، شاہ کوٹ	۔	روزنامہ دنیا
24جولائی	شہزاد	مرد	۔	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ننکانہ صاحب	۔	روزنامہ نئی بات
24جولائی	شاہد	مرد	۔	21برس	۔	۔	زہرخورانی	لیہ	۔	روزنامہ نئی بات
25جولائی	حاجی چانڈیو	مرد	۔	22برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	گاجی کھاوڑ، قمبر	۔	روزنامہ کاوش
25جولائی	جمعہ خان	مرد	۔	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	جلالہ شیر گڑھ، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
25جولائی	خاور ریاض	مرد	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 96/6 آر، ساہیوال	۔	روزنامہ نئی بات
25جولائی	رضوان	مرد	۔	22برس	۔	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	راوی لنک پل، ساہو والا، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
25جولائی	عاصمہ بی بی	خاتون	۔	22برس	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	گاؤں لاکھو کالم، شیخم، قصور	۔	روزنامہ جنگ
25جولائی	شوکت راجپوت	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو جلا کر	سانگھڑ	۔	روزنامہ دنیا
25جولائی	شبانہ	خاتون	۔	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خان پور، رحیم یار خان	۔	روزنامہ دنیا
25جولائی	نعمان	مرد	۔	۔	۔	ذہنی معذوری	نہر میں کود کر	رحیم یار خان	۔	روزنامہ دنیا
25جولائی	ص	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کرک	۔	روزنامہ دنیا
25جولائی	ناصر عباس	مرد	۔	۔	شادی شدہ	اولاد نہ ہونے کے طعنوں سے تنگ آ کر	پھندا لے کر	موضع خیرے والا، گڑھ مہاراجا	۔	روزنامہ جنگ
25جولائی	پروین بی بی	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 25 کے بی، قبولہ، عارف والا	۔	روزنامہ جنگ
25جولائی	عقبہ	خاتون	۔	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے تنگ آ کر	پھندا لے کر	گلشن کالونی، گجراں والا	۔	روزنامہ نوائے وقت
26جولائی	غلام جعفر سومرو	مرد	۔	22برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پریالو، خیر پور میرس	۔	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
26جولائی	محبوب اندھڑ	مرد	-	20برس	-	پولیس کے خوف سے	نہر میں کود کر	گوٹھ ماہی، اوباڑو، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
26جولائی	غ	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	زہرخورانی	لالہ زار کالونی، تخت بھائی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
26جولائی	معراج بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	82/5ایل، ساہیوال	-	روزنامہ دنیا
26جولائی	شبیراں مائی	خاتون	-	25برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع خیر پور کھڈالی، رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
26جولائی	ذیشان	مرد	-	18برس	غیر شادی شدہ	پسند کا رشتہ نہ ہونے پر	زہرخورانی	رحمان کالونی، رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
26جولائی	بشیر	مرد	-	-	-	غربت سے تنگ آکر	زہرخورانی	کچی منڈی، لیاقت پور	-	روزنامہ دنیا
26جولائی	وقاص	مرد	-	22برس	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	احمد پور سیال، گڑھ مہاراجا	-	روزنامہ جنگ
27جولائی	غلام بشیر	مرد	-	26برس	-	-	خود کو گولی مار کر	مخدوم رشید، ملتان	درج	روزنامہ خبریں ملتان
27جولائی	عرفان	مرد	-	22برس	شادی شدہ	-	زہرخورانی	چونگی نمبر5، ملتان	-	روزنامہ خبریں ملتان
27جولائی	سلیم	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے تنگ آکر	زہرخورانی	محلّہ علی پارک، شیخوپورہ	-	روزنامہ جنگ
27جولائی	زاہدہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	دریا میں کود کر	موضع چک ڈڈاں، ملکوال	-	روزنامہ جنگ
27جولائی	نور محمد	مرد	-	55برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک223ج ب، امین پور بنگلا	-	روزنامہ جنگ
27جولائی	فیاض	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	بھسر پورہ، قصور	-	روزنامہ نئی بات
27جولائی	اکبر علی	مرد	-	-	-	گرفتاری کے خوف سے	خود کو گولی مار کر	466 گ ب، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
27جولائی	بلال	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے تنگ آکر	-	ہنجراں والا، شیخوپورہ	-	روزنامہ خبریں
27جولائی	نازو مائی	خاتون	-	18برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چاچڑاں شریف، رحیم یارخان	درج	روزنامہ خبریں ملتان
27جولائی	وقاص	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	کوٹ بہادر، احمد پور سیال	-	روزنامہ خبریں ملتان
27جولائی	نوید راجپوت	مرد	-	16برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹھاروشاہ، نوشہروفیروز	-	روزنامہ کاوش
28جولائی	زاہدہ میرانی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ ڈرب، کینٹ، پنوعاقل	-	روزنامہ کاوش
28جولائی	محمد کاشف رند	مرد	-	15برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ چھتو رند، نوشہروفیروز	-	روزنامہ کاوش
28جولائی	محمد شمس	مرد	-	30برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ شیرآباد، سمبڑیال	-	روزنامہ نئی بات
28جولائی	-	مرد	-	-	-	پولیس کے رویہ سے دلبرداشتہ ہوکر	دریا میں کود کر	کالام، سوات	-	روزنامہ جنگ
28جولائی	محمد عرفان	مرد	-	35برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بھاٹی گیٹ، لاہور	-	روزنامہ نیشن
28جولائی	نور احمد	مرد	-	70برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	نہر میں کود کر	موضع کوٹ اسلام، کبیروالا	-	روزنامہ جنگ
28جولائی	جنت بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	نہر میں کود کر	موضع کوٹ اسلام، کبیروالا	-	روزنامہ جنگ
28جولائی	قسمت نبی	مرد	-	26برس	-	-	پھندا لے کر	لانڈھی جیل، کراچی	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	احمد	مرد	-	20برس	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	اوکاڑہ	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	مشتاق	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کرماں والا	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	محمد یار	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	بہاول نگر	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	ن	خاتون	-	18برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	ع	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	ناصر	مرد	-	-	-	-	بجلی کے تار چھو کر	کوٹ اسلام	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	ثمرین	خاتون	-	18برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بھکر	-	روزنامہ دنیا
28جولائی	سمیرا بی بی	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	ملتان	-	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	ناصرہ بی بی	خاتون	-	18برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خان پور	-	روزنامہ خبریں ملتان
28جولائی	پروین بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قبولہ، پاک پتن	-	روزنامہ نئی بات

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
28جولائی	روبینہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	ناساپہ خزانہ، پشاور	درج	روزنامہ آج
28جولائی	مراد	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	ڈاگ بسود، نوشہرہ	درج	روزنامہ آج
29جولائی	ظہوراحمد	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کودکر	عارف والا	-	روزنامہ نئی بات
29جولائی	کریم	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شجاع آباد	-	روزنامہ نئی بات
29جولائی	صابر	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	وہوا	-	روزنامہ نئی بات
29جولائی	رخسانہ بی بی	خاتون	-	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خیرپور کھڈالی	-	روزنامہ نئی بات
29جولائی	نصیبی مائی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	یزمان	-	روزنامہ نئی بات
29جولائی	ارشاد بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	سسرالیوں سے دلبرداشتہ	نہر میں کودکر	کٹھیالہ شیخاں	-	روزنامہ جنگ
29جولائی	کریم	مرد۔	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بستی خواجہ، سکندرآباد	-	روزنامہ خبریں ملتان
29جولائی	کمومائی	خاتون	-	18برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	چک 49 ڈی بی، یزمان، بہاول پور	-	شیخ مقبول
29جولائی	صابر	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	وہوا	-	روزنامہ خبریں ملتان
29جولائی	رخسانہ بی بی	خاتون	-	18برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
30جولائی	سہراب خان	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	بے روزگاری سے تنگ آکر	پھندالے کر	شنواری ٹاؤن، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
30جولائی	انیل کمار	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	سول ہسپتال، کراچی	-	روزنامہ خبریں
30جولائی	عمرحیات	مرد	-	45برس	-	غربت سے تنگ آکر	پھندالے کر	چک 113 رب، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
30جولائی	عجاں بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں 36 کے بی، بورے والا	-	روزنامہ نئی بات
30جولائی	سلیم	مرد	-	22برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	صادق آباد	-	روزنامہ خبریں ملتان
31جولائی	عائشہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	گل آباد، پہاڑی پورہ، پشاور	درج	روزنامہ آج
31جولائی	-	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گرین کیپ سوسائٹی، لاہور	-	روزنامہ ایکسپریس
یکم اگست	شمائلہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	باسوپنوں، قلعہ کالروالا	-	روزنامہ جنگ
یکم اگست	-	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	چک عمرا، چکوال	-	روزنامہ جنگ
یکم اگست	محمد بخش	مرد	-	-	شادی شدہ	اولاد کے رویے سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سردارپور	-	روزنامہ خبریں ملتان
یکم اگست	تسلیم بی بی	خاتون	-	16برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک نمبر 22 پی، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
2اگست	جمیل	مرد	-	26برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	لاہور	-	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	نسیم بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	49 ڈی، اوکاڑہ	-	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	احمد فیضان	مرد	-	-	-	قرض کی عدم ادائیگی پر	زہرخورانی	نوشہرہ، وادی سون	-	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	ساجدہ	خاتون	-	-	-	-	زہرخورانی	سریاب روڈ، کوئٹہ	-	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	پلوشہ	خاتون	-	-	-	-	زہرخورانی	سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ	-	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	تسلیم بی بی	خاتون	-	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خان پور	-	روزنامہ دنیا
2اگست	نظام مائی	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	بہاول پور	-	روزنامہ دنیا
2اگست	ثقلین	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	تونسہ شریف	-	روزنامہ دنیا
2اگست	ظریف خان	مرد	-	-	شادی شدہ	بیوی کے علاج کے لیے رقم نہ ملنے پر	خودکوگولی مارکر	پشاور	-	روزنامہ دنیا
2اگست	فیض	مرد	-	24برس	-	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	وادی سون	-	روزنامہ دنیا
2اگست	شیخ روشن	مرد	-	62برس	-	بیماری سے تنگ آکر	زہرخورانی	کراچی	-	روزنامہ دنیا
2اگست	عاصمہ	خاتون	-	-	-	-	زہرخورانی	سیالکوٹ	-	روزنامہ جنگ
2اگست	توقیر	مرد	-	-	-	-	پھندالے کر	پھنڈدادن خان	-	روزنامہ جنگ

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
2اگست	م	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	لودھراں	-	روزنامہ خبریں ملتان
2اگست	فیض مائی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	خیرپور سادات، رحیم یار خان	-	روزنامہ خبریں ملتان
2اگست	غلام مرتضیٰ	مرد	-	22برس	-	-	زہرخورانی	سردارگڑھ، رحیم یار خان	-	روزنامہ خبریں ملتان
2اگست	عطامحمد پنہور	مرد	-	-	شادی شدہ	-	پھندا لے کر	گوٹھ آدم پنہور، جیکب آباد	-	روزنامہ کاوش
2اگست	شوکت شاہ	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے تنگ آ کر	پھندا لے کر	پھل شہر، نوشہرو فیروز	-	روزنامہ کاوش
3اگست	-	مرد	-	-	-	-	دریا میں کود کر	سکھر بیراج، سکھر	-	روزنامہ کاوش
3اگست	غلام رسول بروہی	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گوٹھ سوالی بروہی، جیکب آباد	-	روزنامہ کاوش
3اگست	شاہد محمود	مرد	-	60برس	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	عسکری 5، لاہور	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	محمد اشرف	مرد	-	71برس	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	اقبال ٹاؤن، لاہور	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	فوزیہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	تکبیر کالونی، اٹک	-	روزنامہ خبریں
3اگست	ملکانی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	تکبیر کالونی، اٹک	-	روزنامہ خبریں
3اگست	ثناء	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	تکبیر کالونی، اٹک	-	روزنامہ خبریں
3اگست	عائشہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	کے ڈی اے، کوہاٹ	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	آمنہ	خاتون	-	23برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع اکبر سہو، کوٹ اسلام	-	روزنامہ خبریں ملتان
3اگست	میر حسین	مرد	-	25برس	غیر شادی شدہ	محبت میں ناکامی	زہرخورانی	شکارپور	-	روزنامہ خبریں ملتان
4اگست	ریاض زنگیجو	مرد	-	28برس	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گوٹھ زنگیجو، رتو ڈیرو، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
4اگست	محمد حسن	مرد	-	20برس	غیر شادی شدہ	محبت میں ناکامی	پھندا لے کر	بابو صابو، لاہور	-	روزنامہ نوائے وقت
4اگست	ریحان	مرد	-	28برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 223 رب، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
4اگست	قاسم علی	مرد	-	40برس	-	-	خود کو گولی مار کر	میر پور بھٹیاں، ننکانہ صاحب	-	روزنامہ نوائے وقت
4اگست	ماریا نعیم	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں مرزا ورکاں، شیخوپورہ	-	روزنامہ جنگ
4اگست	رابعہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	سرگودھا	-	روزنامہ جنگ
4اگست	علی زیدی	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	سرگودھا	-	روزنامہ جنگ
4اگست	وسیم	مرد	-	40برس	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ہڈالی، سرگودھا	-	روزنامہ جنگ
4اگست	تصور	مرد	-	42برس	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	ٹھٹھی لنگروالا، سرگودھا	-	روزنامہ جنگ
4اگست	ثناء	خاتون	-	25برس	شادی شدہ	-	پھندا لے کر	سرائے عالمگیر	-	روزنامہ جنگ
4اگست	نعیم	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	نہر میں کود کر	کھیالی، گجراں والا	-	روزنامہ جنگ
4اگست	ثناء	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	تکبیر کالونی، اٹک	-	روزنامہ نوائے وقت
4اگست	بابا دین مہر	مرد	-	60برس	شادی شدہ	اولاد کے رویے سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	مڑدر باری، رحیم یار خان	-	روزنامہ خبریں ملتان
4اگست	گل خان	مرد	-	60برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سرائے سدھو	-	روزنامہ خبریں ملتان
4اگست	شہیر قریشی	مرد	-	25برس	غیر شادی شدہ	خرچ کے لیے رقم نہ ملنے پر	دریا میں کود کر	سنانواں، ملتان	-	روزنامہ خبریں ملتان
4اگست	سعید	مرد	-	24برس	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	موضع گاہمز، کہروڑ پکا	درج	روزنامہ خبریں ملتان
5اگست	نادیہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	تکبیر کالونی، اٹک	-	روزنامہ نوائے وقت
5اگست	نصیر	مرد	-	17برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 123 پی، رحیم یار خان	-	روزنامہ خبریں ملتان
5اگست	رخسانہ بی بی	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بیدانہ شرقی، چشتیاں	-	روزنامہ خبریں ملتان
5اگست	صائمہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	صدیق آباد، ڈی جی خان	درج	روزنامہ خبریں ملتان
7اگست	-	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	انصاف نہ ملنے پر	لاس پور، چترال	-	ایکسپریس ٹریبیون

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
7اگست	بلبل	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	محلہ ترنگی، اوکاڑہ	ـ	روزنامہ نئی بات
7اگست	رخسانہ کوثر	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	نہر میں کود کر	گاؤں بھون خورد، حافظ آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
7اگست	ـ	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	ٹرین تلے آ کر	کامونکی	ـ	روزنامہ دنیا
7اگست	کائنات	خاتون	ـ	17برس	غیر شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	خٹ کورونا ماجو، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
7اگست	قمر	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	ڈیفنس بی، لاہور	ـ	روزنامہ ایکسپریس
8 اگست	ـ	مرد	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	مہاجر کیمپ متھرا، پشاور	درج	روزنامہ آج
8 اگست	نوید اقبال	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	چک نمبر 27 ج ب، امین پور بنگلا	ـ	روزنامہ خبریں
8 اگست	محمد نواز	مرد	ـ	30برس	ـ	مالی حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	گلشن اقبال، لاہور	ـ	ڈان
8 اگست	نورین	خاتون	ـ	17برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	سمن آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
8 اگست	قدیر عباس	بچہ	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گاؤں 4/14ایل، کسووال	ـ	روزنامہ نئی بات
8 اگست	سید عمران شاہ	مرد	ـ	36برس	غیر شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	امام بارگاہ، کوٹ ادو	ـ	روزنامہ خبریں
8 اگست	محمد اجمل	مرد	ـ	24برس	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	روجھان، رحیم یار خان	ـ	روزنامہ خبریں
8 اگست	نگینہ	خاتون	ـ	19برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	منصور آباد، فیصل آباد	ـ	پاکستان ٹائمز
8 اگست	رب نواز	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	پھندا لے کر	27/14ایل، کسووال	ـ	روزنامہ نوائے وقت
8 اگست	ـ	خاتون	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	گھنگ روڈ، شیخوپورہ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
8 اگست	سید عمران	مرد	ـ	36برس	ـ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	سناواں، کوٹ ادو	درج	روزنامہ خبریں ملتان
8 اگست	اجمل	مرد	ـ	24برس	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	روجھان	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
9اگست	عدیل	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	محلہ مقصود آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نوائے وقت
9اگست	عامر سہیل	مرد	ـ	15برس	غیر شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	506 گ ب، فیصل آباد	ـ	روزنامہ خبریں
9اگست	ـ	مرد	ـ	ـ	ـ	انصاف نہ ملنے پر	زہر خورانی	شب دیو سنگھ، شیخوپورہ	ـ	روزنامہ خبریں
9اگست	اللہ معافی	خاتون	ـ	18برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	41ای بی، عارف والا	ـ	روزنامہ نئی بات
9اگست	اجمل	مرد	ـ	18برس	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے تنگ آ کر	ٹرین تلے آ کر	چک 9، قصور	ـ	روزنامہ خبریں
9اگست	عبدالقیوم	مرد	ـ	16برس	غیر شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	ماہڑہ شہر	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
9اگست	سفیان	مرد	ـ	18برس	غیر شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	نورے والی، رحیم یار خان	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
10اگست	ندیم	مرد	ـ	35برس	ـ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	محلہ محمد پور جٹاں، لاہور	ـ	روزنامہ دنیا
10اگست	کاکا	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ٹبہ شیخ امین، قصور	ـ	روزنامہ دنیا
10اگست	افضال	مرد	ـ	18برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	تاجووال، شکر گڑھ	ـ	روزنامہ دنیا
10اگست	حامد	مرد	ـ	43برس	ـ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	کمالا بنیاں، واہ کینٹ	ـ	روزنامہ دنیا
10اگست	سہیل	مرد	ـ	30برس	شادی شدہ	دوسری شادی کی اجازت نہ ملنے پر	زہر خورانی	کامران کالونی، خانیوال	ـ	روزنامہ دنیا
10اگست	محمد منیب	مرد	ـ	ـ	ـ	مالی حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	تلہ گنگ	درج	ایکسپریس ٹریبیون
10اگست	قمر الزمان	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چنیوٹ	ـ	روزنامہ جنگ
10اگست	ف	خاتون	ـ	15برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	مسلم آباد منگا، مردان	درج	روزنامہ آج
11اگست	ظریف علی	مرد	ـ	18برس	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	خان پور، رحیم یار خان	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
11اگست	فہد	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 198ر ب، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نیوز
11اگست	مظہر	مرد	ـ	15برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ہنجروال، لاہور	ـ	روزنامہ خبریں
12اگست	علی رضا خاصخیلی	مرد	ـ	20برس	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ حمل فقیر، خیر پور میرس	ـ	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس		عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
12اگست	صوفیہ	خاتون	-	17برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ رحمت آباد، حافظ آباد	-	روزنامہ جنگ
14اگست	ست بھرائی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ حسوڈرہو، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
14اگست	رضیہ	خاتون	-	-	-	غربت سے تنگ آکر	زہرخورانی	مدنی چوک، فیصل آباد	-	روزنامہ نیوز
14اگست	افضال	مرد	-	40برس	شادی شدہ	بیوی کی ناراضگی پر	پھندالےکر	شالیمار، لاہور	-	روزنامہ خبریں
14اگست	ثناء	خاتون	-	26برس	-	-	پھندالےکر	ٹیلاں والی، قصبہ 4ڈی، اوکاڑہ	-	روزنامہ جنگ
14اگست	عزت بی بی	خاتون	-	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک نمبر42این پی، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
15اگست	جنت پتافی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ جادو پتافی، میرپور ماتھیلو، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
15اگست	عبدالحمید شیخ	مرد	-	28برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ مرادشیخ، باقرانی، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
15اگست	محمد منور	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	امتحان میں کم نمبرآنے پر	زہرخورانی	پھول نگر، قصور	-	روزنامہ دنیا
15اگست	-	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	-	پھندالےکر	حجرہ شاہ مقیم	-	روزنامہ دنیا
15اگست	مبین حیدر	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رائے ونڈ	-	روزنامہ نیشن
15اگست	ندیم اقبال	مرد	-	-	-	-	خودکوگولی مارکر	ملتان	درج	روزنامہ خبریں ملتان
16اگست	ذیشان	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	موضع سلطان والاغربی، موچھ	-	روزنامہ نوائے وقت
16اگست	فاروق احمد	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹھٹھہ بیگ، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
16اگست	ثناء بی بی	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	تیلاں والی، اوکاڑہ	-	روزنامہ نوائے وقت
16اگست	غلام یاسین	مرد	-	29برس	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کوٹ سلطان	-	روزنامہ خبریں ملتان
16اگست	وسیم	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	وارڈ نمبر3، فتح پور	-	روزنامہ خبریں ملتان
17اگست	ک	خاتون	-	-	شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	دادجھلیرا، ساہوکا	-	روزنامہ نئی بات
17اگست	ثناء	خاتون	-	17برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	ٹبی مہراں، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
17اگست	سجادعلی	مرد	-	19برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	ٹبی مہراں، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
18اگست	عبداللہ	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	کھنڈرریگی، پشاور	درج	روزنامہ آج
18اگست	نورین بی بی	خاتون	-	21برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ سابہ، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
19اگست	عزت اللہ	مرد	-	23برس	غیرشادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	باغ ڈھیرئی، بیگنورہ، سوات	درج	روزنامہ ایکسپریس
19اگست	طلعت	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	راے ونڈ	-	روزنامہ خبریں
19اگست	نسرین	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چوچک	-	روزنامہ دنیا
19اگست	محمد عاشر	مرد	-	20برس	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	پھندالےکر	کورنگی، کراچی	-	روزنامہ دنیا
19اگست	حنا	خاتون	-	19برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سرجانی ٹاؤن، کراچی	-	روزنامہ دنیا
19اگست	اقبال	مرد	-	40برس	شادی شدہ	غربت سے تنگ آکر	نہرمیں کودکر	اوکاڑہ	-	روزنامہ دنیا
20اگست	مہناز بی بی	خاتون	-	25برس	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فتح پور، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں ملتان
21اگست	رحیماں	خاتون	-	35برس	شادی شدہ	ذہنی معذوری	کنوئیں میں کودکر	بریاسٹی، نوشہروفیروز	-	روزنامہ کاوش
21اگست	احسن نوید	مرد	-	18برس	غیرشادی شدہ	محبت میں ناکامی	زہرخورانی	حسنین آباد، کوٹ سلطان	-	روزنامہ جنگ ملتان
21اگست	شمیم بی بی	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بکھرواہ، علی پور	-	روزنامہ جنگ ملتان
21اگست	شعیب علی	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	سامان چوری ہوجانے پر	پھندالےکر	مستوج، چترال	درج	روزنامہ آج
21اگست	کامران	مرد	-	16برس	غیرشادی شدہ	-	دریامیں کودکر	پیرسباق، نوشہرہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
22اگست	مختیار چانڈیو	مرد	-	25برس	-	دوستوں سے ناراضگی	-	شہدادکوٹ، قمبر	-	روزنامہ کاوش

قانون سازی سے بچنے کا طریقہ

آئی۔اے۔ رحمٰن

سینٹ کی طرف سے پریوینشن آف الیکٹرانک کرائمز بل (الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا بل) میں کی جانے والی تقریباً 50 ترامیم کے باوجود یہ بل متنازعہ ہی رہا ہے حالانکہ اس سے قبل قومی اسمبلی اس کو منظور کر چکی ہے۔ سینٹ کی سب کمیٹی نے سول سوسائٹی کی تنظیموں کو اجازت دی تھی کہ وہ اس بل کی ان شقوں کو چیلنج کر سکتی ہے جن سے آزادئ اظہار پر زد پڑتی ہو یا سائبر سپیس کو استعمال کرنے والوں کو اس کے استعمال سے روکنے کے خلاف تحفظ مہیا کرنا مقصود ہو۔ لیکن ان کی متعدد تجاویز کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا۔ جب آئی ٹی (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کمیٹی کی طرف سے بل منظور ہو کر سینٹ میں آیا تو اس کو زائد المیعاد ہونے سے بچانے کے لیے پڑنے والے دباؤ نے سینٹ کو بل کے متن کے حوالے سے اٹھنے والے اعتراضات کے جواب دینے سے روک دیا۔ بہر حال چند سینٹرز کو موقع مل گیا کہ وہ چند سخت قسم کی تجاویز کو نرم بنا سکیں۔

مثال کے طور پر بل کی دفعہ 34 جس کی تسلسل اور شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی تھی، میں ترمیم کے ذریعے ہائی کورٹ میں اپیل کرنے کا اس صورت میں حق دیا گیا ہے کہ جب قانون کے نفاذ کی ذمہ دار اتھارٹی نظر ثانی کی درخواست کے حوالے سے متاثرہ فریق کی دستگیری نہ کرے۔ لیکن اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں دوسری دفعات کے تحت متعلقہ اتھارٹی کو دیئے گئے غیر معمولی اختیارات کی روشنی میں عدالتی فرد گذاشت کو ضبط تحریر میں کیوں نہیں لایا جا سکتا؟ بنیادی حقوق سے متجاوز تمام احکامات کے خلاف ہائی کورٹ میں جانے کے حق کو تسلیم کرنا یقیناً اچھا فیصلہ ہوتا۔ اس ترمیم کی بھی تعریف ضروری ہے جس کے تحت متعلقہ اتھارٹی کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو ششماہی رپورٹیں بھیجے۔ لیکن مجلس قانون ساز کو ملنے والی رعایت کی شرائط کو تحفظ دے دیا گیا ہے۔ متعلقہ کمیٹی ان رپورٹوں پر ان کیمرہ غور کرے گی لیکن جیسا کہ ایکٹ میں دیا گیا ہے کسی بھی قسم کی معلومات کے بارے میں کہیں بات نہیں کی جائے گی۔

حیران کن بات یہ ہے کہ سینٹ نے یہ دلیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ سائبر کرائم قانون کو ان جرائم کا احاطہ نہیں کرنا چاہئے جن پر پہلے سے موجود قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تعزیرات پاکستان اور ہتک عزت کا ایکٹ مجریہ 2002ء ان جرائم پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس دفعہ کو ختم کرنے کی درخواست رد کر دی گئی۔ دفعہ 22 میں ان حرکات کو بھی جرائم قرار دے دیا گیا ہے جو عمومی طور پر ناپسندیدہ پیغامات کے زمرے میں آتی ہیں اور جن کا تدارک موبائل فون اور ای میل ان باکس کے ذریعے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ بل کی دفعہ 29 پر اعتراض ٹریفک کے ڈیٹا کو ایک سال تک برقرار رکھنے کے حوالے سے تھا اور کہا گیا تھا کہ اس ڈیٹا کے تحفظ کے بارے میں فیصلہ کئے بغیر، اس کے استعمال اور بالآخر اس کو تلف کرنے کے عمل کو شہریوں کی خلوت میں مداخلت تصور کیا جائے گا۔ اس شق کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بنانے کے مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اسی طرح سول سوسائٹی کے نمائندوں نے نشاندہی کی تھی کہ دفعہ 32 کے تحت تحقیقاتی افسر کو غیر ضروری اختیارات دے دیئے گئے تھے اور یہ ضروری تھا کہ اختیارات کے غلط استعمال کے خلاف تحفظات رکھے جاتے لیکن اس استدلال پر کوئی توجہ ہی نہیں دی گئی۔

> پی ای سی بی کی تیاری میں مصروفیت سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لئے اذیت ناک تجربہ ہے۔

لگتا ہے کہ سول سوسائٹی کے نمائندوں کی استدعا کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا کہ قائم کی جانے والی اتھارٹی یا نئے قانون کے تحت نامزد کی جانے والی اتھارٹی کو انتظامیہ کے ماتحت ہونے کی بجائے آزاد ہونا چاہئے۔ چنانچہ ہوا یوں کہ اتھارٹی کو وہ مواد جس کے بارے میں شکایت موصول ہوئی ہو مکمل طور پر روکنے اور اس کو تلف کرنے کے وسیع تر اختیارات تفویض کر دیئے گئے ہیں۔ اور یہ کام عدالتی حکم کے بغیر یا متعلقہ پارٹی کو سننے کا موقع دیئے بغیر ہی کیا جا سکتا ہے۔ کمیٹی کو ایسا اختیار دینا کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہے۔ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) کی صورت حال بھی ایسی ہی ہے۔ پیمرا کے پاس بھی غیر معمولی اختیارات ہیں جن کے ذریعے میڈیا کے مواد کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف بھی کافی عرصہ سے نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ پیمرا پر انتظامیہ کی طرف سے دباؤ کی کیفیت کا اندازہ قانون کی اس شق سے کیا جا سکتا ہے جو پیمرا کو مجبور کرتی ہے کہ وہ انہی ہدایات پر عمل کرے جو اس کو حکومت کی طرف سے ملتی ہیں۔ اس کے پیش نظر سپریم کورٹ کی طرف سے قائم کیے گئے 2013ء کے میڈیا کمیشن کی اس تجویز کو کہ پیمرا کو ایگزیکٹو سے آزاد کیا جائے، کس طرح بے عیب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے متعدد متعلقہ افراد کی یہی سوچ ہے۔ اسی لئے سائبر کرائم سے متعلق قانون کے تحت اتھارٹی کو حکومتی کنٹرول سے آزاد ہونا چاہئے۔

یہ دلیل سامنے آ سکتی ہے کہ بہت سے ترقی پذیر ملکوں میں حکومتی ایجنسیاں ہی میڈیا/ٹریڈ ریگولیٹری معمولات انجام دیتی ہیں۔ لیکن پاکستان میں سرکاری اداروں پر کم اعتماد کے باعث ایجنسیوں کو عوام کے حقوق کے با اعتماد نگہبان نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہاں تک کہ ان ایجنسیوں کے بارے میں عام سوچ یہی ہے کہ یہ حکومتی خبط اور دھن کا سامنا نہیں کر سکتیں۔ پی ای سی بی پر حکومتی نمائندوں اور ارکان پارلیمنٹ کے ساتھ ہونے والی گفت و شنید سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لئے انتہائی ناخوشگوار تجربہ تھا۔ ان تنظیموں نے حکام کے ساتھ اس لئے بحث مباحثہ کیا کہ ان کا خیال تھا کہ جمہوری نظام میں ریاست کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی آراء کو وقعت دے اور عوام کی تشویش کو بہتر طور پر دور کرے۔ لیکن پاکستان کی موجودہ صورتحال میں یہ تمام مفروضے غلط ثابت ہوئے۔ بہر حال ارکان پارلیمنٹ نے سول سوسائٹی کے نکتہ نظر کو بڑے غور سے سنا جس سے یقینی طور پر ان کی نیک نامی ہوئی۔ اس ملک کی قانون سازی کی تاریخ میں یہ بے مثال واقعہ ہے۔ آخری بات یہ کہ بظاہر یہ ناممکن لگتا تھا کہ بل کو تیار کرنے والے مراعات یافتہ مصنفین کو رد کر دیا جائے۔ لیکن سائبر سپیس اور اس کے مثبت استعمال کی متعدد گنجائشوں کے بارے میں کم علمی نے قانون سازوں کو بل ڈرافٹ کرنے والوں کو اس سوچ کو جاننے سے روک دیا جنہوں نے سائبر سپیس استعمال کرنے والوں کو سزا دینے کا نیا راستہ ایجاد کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔

اس سارے معاملے نے ان غلطیوں کو آشکار کر دیا ہے جن سے لوگوں کو خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قانونی تجاویز تیار کرنے میں مہارت نہ ہونے کے باعث وہ ایسی تجاویز تیار نہیں کر پاتے جن کے ذریعے ریاست کی مطلق العنانی کی پیاس اور شہریوں کے واجب الاحترام حقوق کے درمیان توازن قائم ہو سکے۔ اگر ایسا نہ ہو پائے تو پھر قانون کی منصفانہ حکمرانی کی طرف قدم اٹھانا ممکن نہیں رہتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پی ای سی بی کے تحت جس قسم کی سنسر شپ اور جس طریقے سے سیلف سنسر شپ کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے اور آزادئ اظہار سے متعلق اقوام متحدہ کے خصوصی جائزہ گر نے جس کا حوالہ دیا ہے، اس سے تو عوام کی زندگی بری طرح متاثر ہوگی۔ عوام کی ذہنی سوچ کو آگے بڑھانے کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور انہیں ان بحرانوں کے حل تلاش کرنے میں بہت زیادہ دقت ہوگی جو پہلے ہی سے افق پر ابھرتے نظر آ رہے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

چار افراد کی لاشیں برآمد

کوئٹہ 19 اگست کو صوبہ بلوچستان کے ضلع قلات میں گولیوں سے چھلنی 4 افراد کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ لیویز ذرائع کا کہنا ہے کہ چاروں افراد کی لاشیں ضلع قلات کے علاقے نیمرغ سے ملیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اطلاع کے فوری بعد لاشوں کو اٹھانے کیلئے لیویز کی ٹیم کو روانہ کیا گیا، چاروں کو گولیاں مار کر قتل کیا گیا۔ لیویز نے لاشوں کو شناخت اور پوسٹ مارٹم کیلئے قلات کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال منتقل کردیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ واقعے کی تحقیقات جاری ہیں تاہم فوری طور پر کسی گروپ یا تنظیم نے ان لوگوں کے قتل کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ ادھر ڈیرہ بگٹی کے علاقے پیر کوہ میں آٹھ انچ قطر کی گیس پائپ لائن کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ لیویز ذرائع نے بتایا کہ نامعلوم افراد نے پائپ لائن کے ساتھ دھماکا خیز مواد نصب کیا جسے بعد ازاں زوردار دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ خیال رہے کہ علاقے میں ممکنہ بارودی سرنگوں کی موجودگی کے باعث پائپ لائن کی مرمت کا کام فوری طور پر شروع نہیں کیا جاسکا۔ ذرائع کا کہنا تھا کہ جیسے ہی سیکیورٹی فورسز علاقے کو کلیئر قرار دیں گے پائپ لائن کی مرمت کے کام کا آغاز کردیا جائے گا۔ (بشکریہ ڈان)

انسانی حقوق کے تحفظ پر زور

پاکپتن 14 اگست کو انسانی حقوق ایچ آر سی پی کے ضلعی کور گروپ پاکپتن کا ماہانہ اجلاس ہوا جس میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے غلام نبی ڈھڈی نے کہا کہ آج ہم ضلع پاکپتن میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر بات کریں گے اور یہ بھی کوشش کریں گے کہ کوئی لائحہ عمل بھی طے کیا جائے۔ غلام مصطفیٰ ایڈووکیٹ نے کہا کہ آج پاکستان کی پوری قوم آزادی کا جشن منا رہی ہے مگر آج بھی اس ملک میں متعدد لوگ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں بھٹہ مزدور اور بڑے جاگیرداروں کے ملازم شامل ہیں۔ کئی ایک بھٹہ مزدوروں کو اپنے خاندان کو آزادی دلوانے کے لیے اپنے گردوں کو فروخت کرنا پڑا ہے۔ ملک میں قانون موجود ہے مگر ایک خاص طبقہ اس پر عملدرآمد نہیں ہونے دیتا۔ میاں محمد عامر نے کہا کہ لوڈ شیڈنگ بہت زیادہ ہو رہی ہے اور وہ بھی غیر اعلانیہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہیں۔ جمیلہ اقبال، سرور بیگم اور شمیم اختر نے کہا کہ خواتین کے روزگار کے لیے حکومت کوئی قدم نہیں اٹھا رہی۔ خواتین کے لیے دستکاری سینٹرز ہونے چاہئیں جہاں پر وہ اپنا روزگار حاصل کرسکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت جو خواتین حقدار ہیں ان کو پیسے نہیں مل رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بی آئی ایس پی پاکپتن کے انچارج کو مل کر مسائل سے آگاہ کیا جائے اور جن خواتین کے کارڈ گم ہوگئے ہیں یا ناقابل استعمال ہوگئے ہیں ان کو دوبارہ فعال کروایا جائے اور مزید کہا کہ پنجاب گورنمنٹ نے معذوروں کا ڈیٹا لیا تھا کہ ان کے خدمت کارڈ بنیں گے مگر ابھی تک ضلع پاکپتن میں ان کے کارڈ نہیں بن سکے۔ ساجی کارکن برکت علی نے کہا کہ ضلع پاکپتن میں بہت سارے فلٹریشن پلانٹ بند پڑے ہیں ان کو فعال کروانے کے لیے دوبارہ ایکسین پبلک ہیلتھ وکٹر جوزف اور متعلقہ افسران سے ملاقات کر کے ان کو جلد از جلد فعال کروایا جائے۔ انجم جنرل سیکرٹری انجمن تاجران ملکہ ہانس نے کہا کہ ملکہ ہانس میں بچوں کے لیے کھیل کا میدان نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دیگر شہری تنظیموں کو بھی ساتھ ملا کر متعلقہ افسران سے ملاقات کر کے اس کا کوئی حل نکالا جائے۔ اجلاس میں ہر مکتبہ فکر سے شہریوں نے شرکت کی جن کی تعداد 27 تھی

(غلام نبی ڈھڈی)

غیرت کے نام پر 9 بچوں کی ماں قتل

جامشورو 23 اگست کو صوبہ سندھ کے ضلع جامشورو میں شوہر نے غیرت کے نام پر اپنی اہلیہ کو قتل کردیا۔ غلام حسین چوہان نے اپنی اہلیہ زاہدہ، جو 9 بچوں کی ماں ہے، پر پیچھے سے حملہ کیا جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئی۔ واقعہ ضلع جامشورو کے علاقے لاکھی شاہ صدر میں پیش آیا، پولیس نے لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے سہون تعلقہ ہسپتال منتقل کردیا۔ مقامی پولیس کا کہنا تھا کہ ملزم نے خود کو پولیس کے حوالے کرتے ہوئے اعتراف جرم کیا ہے، اس موقع پر اس کے کپڑوں پر خون کے نشان موجود تھے۔

(نامہ نگار)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

"ایوان جمہور" 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

"جہد حق" کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

گھروں سے بھاگنے والے بچے

آئی۔اے۔رحمٰن

پنجاب میں بچوں کے اغواء یا دوسری وجوہات کی بناء پر ان کے غائب ہونے کے بڑھتے ہوئے واقعات نے نہ صرف یہ کہ ذہنی اذیت میں اضافہ کیا ہے بلکہ اس شرمناک صورتحال کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے پہلے سے جاں بلب انتظامیہ کو انتہائی کمزور موقف اختیار کرنے پر سخت شرمندگی کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔قومی اسمبلی کے سپیکر نے جب رسمی انداز میں بات کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں بچوں کا اغواء زندگی کا معمول ہے، تو انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔تاہم ان کے بیان میں اتفاقی پن کا جو ذائقہ تھا، وہ سنگدلی اور بے رحمی کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ ہر وہ شخص جو موجودہ سال کے آغاز سے میڈیا پر نظر رکھے ہوئے ہے، جانتا ہوگا کہ اغواء کے واقعات ملک کے تمام حصوں سے رپورٹ ہوتے رہے ہیں اور ان کے خلاف احتجاج بھی متعدد شہروں میں ہوتے رہے ہیں۔

اغواء کئے جانے والے بچوں کے لواحقین اور خاندانوں کی بے بسی کے حوالے سے بہت کم خبریں شائع ہوئیں۔ان میں وہ خبر بھی شامل ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ عدلیہ کا ایک افسر اپنے بیٹے کے اغواء کے بارے میں بات کرتے ہوئے سپریم کورٹ میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ایک اور رپورٹ خیبر پختونخوا کے وزیراعلیٰ کے اس جواب کے حوالے سے شائع ہوئی جو انہوں نے ایک خاتون کو دیا جس نے اپنے مغوی بیٹے کی بازیابی میں مدد کرنے کے لیے وزیراعلیٰ سے درخواست کی تھی۔وزیراعلیٰ نے اس خاتون کی درخواست پر کہا کہ وہ تو خود اپنے بھتیجے کی بازیابی کے منتظر تھے۔عدالت عظمیٰ، میڈیا اور عوام کو جس چیز نے دہشت زدہ اور ہوشیار کر دیا تھا، وہ پولیس کا یہ اعتراف تھا کہ پنجاب میں بچوں کے اغواء کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ جب عدالت عظمیٰ نے بچوں کے اغواء کے مقدمات کا نوٹس لیا تو پنجاب پولیس نے عدالت عظمیٰ کو بتایا کہ گزشتہ چھ برسوں کے دوران 6793 بچے یا تو اغواء ہوئے یا پھر وہ غائب ہوئے تھے اور ان میں سے 6654 بچے بازیاب ہو چکے ہیں۔اب صرف 139 بچے ایسے ہیں جن کے بارے میں تا حال کچھ پتہ نہیں۔اس نے یہ استدلال بھی دیا کہ بچوں کا اغواء عمومی طور پر شہروں میں ہوتا ہے جس کی بنیادی وجہ شہروں کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہے اس کے علاوہ اس کی دوسری وجہ دوسرے علاقوں سے شہروں کی طرف آبادی کی منتقلی ہے۔لاہور وہ شہر ہے جس میں بچوں کے اغوا کی سب سے زیادہ وارداتیں ہوتی ہیں۔سال کے دوران لاہور میں 44 بچے اغواء ہوئے جبکہ راولپنڈی میں 18، شیخوپورہ میں آٹھ اور اوکاڑہ میں چار بچے اغواء ہوئے۔

پولیس نے جو رپورٹ عدالت عظمیٰ میں پیش کی اس کا سب سے حیران کن حصہ وہ ہے جس میں اغواء/گمشدگی کے اعداد و شمار کا میزان دیا گیا ہے۔پولیس نے بتایا کہ غائب ہونے والے بچوں میں سے 44.1 فیصد بچے اپنے والدین کے سخت رویے کے باعث گھروں سے بھاگ گئے جبکہ 21.6 فیصد بچے کھو گئے اور پھر مل گئے، 7.6 فیصد بچے گھریلو تنازعات کے سبب گھر سے بھاگے، 6.1 فیصد بچوں کو والدین میں سے کسی ایک نے اغواء کیا جن میں 5.1 فیصد بچوں کو اغواء کے وقت ہی بازیاب کر لیا گیا، 4.6 فیصد بچے مدرسوں میں بدسلوکی کے باعث بھاگ گئے۔4.1 فیصد بچوں کو ان کے رشتہ داروں نے اغواء کیا جبکہ 2.9 فیصد بچے دیگر وجوہات کی بناء پر گھروں سے بھاگے۔اس کے علاوہ 2.3 فیصد بچوں کو جنسی درندگی کے لیے اغواء کیا گیا اور غائب ہونے والے 1.6 فیصد بچے وہ تھے جو ذہنی مریض تھے۔ذہنی پسماندگی کا شکار 1.6 فیصد بچے اور کھو جانے کے بعد مل جانے والے 26.1 فیصد بچوں کے علاوہ 56.3 فیصد اپنے والدین کی بدمزاجی، گھریلو جھگڑوں اور مذہبی مدرسوں میں ہونے والی بدسلوکی کے باعث گھروں کو چھوڑ گئے۔(پولیس کے نزدیک غربت بچوں کے گھروں سے بھاگنے کے عمل میں اہمیت نہیں رکھتی)۔ان تمام تر اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ گھروں سے غائب ہونے والے بچوں کی کل تعداد میں سے 20.5 فیصد بچے وہ ہیں جنہیں اغواء کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ یکم جنوری 2011ء سے لے کر اب تک صرف پنجاب میں 1359 بچے اغواء ہوئے ہیں۔یہ تعداد یقینی طور پر حیران کن ہے۔

> بھاگ جانے والے بچوں کے بارے میں محض پولیس کے موقف کو صحیح ماننا سراسر غلط ہوگا۔

مذکورہ بالا سرکاری اہلکار کی وضاحت ان حکام کے اپنائے ہوئے رویے جیسی ہے جنہوں نے جبری گمشدگیوں کے معاملے کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ان کا گھڑا گھڑایا جواب یہ تھا کہ گمشدہ افراد میں سے زیادہ تر رضاکارانہ طور پر افغانستان میں ہونے والے جہاد میں شرکت کے لئے افغانستان چلے گئے ہیں یا یہ کہ وہ مشکل حالات کے باعث بھاگ گئے تھے۔بچوں کے گمشدگی کے حوالے سے بھی لوگوں کے غم وغصہ کو کم کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے یا اسی طرح کا کوئی اور بہانہ بنا دیا جاتا ہے۔ پولیس رپورٹ یہ ظاہر نہیں کرتی کہ گزشتہ چھ برسوں کے دوران 6793 اغواء کئے جانے والے بچوں یا گم ہو جانے والے بچوں میں سے جو 6654 بچے بازیاب ہوئے، ان میں سے کتنے بچے خود گھروں کو واپس آئے یا غیر سرکاری اداروں کی مدد سے واپس آئے اور کتنے بچوں کو پولیس یا کسی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے نے بازیاب کرایا۔ یہ تعداد ان 5.1 فیصد بچوں کی تعداد سے الگ ہے جنہیں اغواء کی کارروائی کے دوران بازیاب کرایا گیا۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ اغواء/گمشدگی کو روکنے میں بعض اوقات پولیس بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔موجودہ سال کے دوران چند بچوں کو والدین سے تاوان ادا کروا کر بازیاب کرایا گیا اور ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا۔لیکن ضرورت اس بات کی ہے ایسی کوششوں کو انتہائی سوچ سمجھ کر حکمت عملی کا حصہ بنایا جائے اور اتفاق رائے کے ساتھ حکمت عملی کو بروئے کار لایا جائے۔

فی الحال ہماری تشویش کا سبب بچوں کی وہ بھاری تعداد ہے جو اپنے گھروں اور تعلیمی اداروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس ان بھاگے ہوئے بچوں پر نظر رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہوتا کہ جرائم پیشہ گروہ ان بچوں کو اپنے دھندے میں استعمال نہ کر سکیں یا یہ بچے دربدر ہو کر جرائم پیشہ افراد کی نفری کی تعداد میں اضافہ نہ کر پائیں۔ بہرحال گھروں سے بھاگنے والے بچوں یا آوارہ گرد بچوں کو محض پولیس کے نکتہء نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ایسے بچوں کی اصلاح حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس کو اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔مثال کے طور پر جو بچے دینی مدرسوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں سے بھاگ جاتے ہیں اور اس کی وجہ ان اداروں میں کام کرنے والوں کا رویہ ہے، تو صوبوں کے تعلیمی سربراہان کو رضامند کیا جائے کہ وہ طلبہ کی شکایات دور کریں۔ان شکایات میں اساتذہ کی طرف سے ہونے والے تشدد، جنسی درندگی اور مناسب تعلیم و تربیت میں عدم سنجیدگی وغیرہ شامل ہیں۔

بالکل اسی طرح یہ بھی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھاگے ہوئے/آوارہ گرد بچوں کے مفادات کا تحفظ کرے اور انہیں ان کے گھروں میں واپس پہنچائے جہاں سے وہ بھاگے تھے۔اس کے علاوہ وہ بچے بھی ہیں جن کا کوئی گھر نہیں یا کوئی خاندان نہیں جس میں وہ واپس جاسکیں۔ صوبوں میں بچوں کے تحفظ کے قوانین موجود ہیں لیکن ان کے پاس نہ کوئی جامع پالیسی ہے اور نہ ہی کوئی منصوبہ۔ صوبوں نے سٹریٹ چلڈرن کی دیکھ بھال کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں اور صرف پنجاب ہی ایسا صوبہ ہے جہاں ایسے بچوں کی بہبود اور دیکھ بھال کے حوالے سے مناسب سہولتیں موجود ہیں۔ ان اداروں کو بچے کے حقوق سے متعلق کنونشن کے تحت اپنے فرائض کو پہچاننا چاہئے۔ یہ کنونشن بچے کی جسمانی صحت، ذہنی صحت، روحانی صحت، اخلاقی اور سماجی ترقی کے معین معیار کے ساتھ مطابقت سے متعلق ہے۔اس کے علاوہ اس کا مقصد بچے کی پرورش کے حوالے سے والدین اور دوسرے متعلقہ افراد کی مدد کرنا ہے۔ پس، پنجاب میں تمام گمشدہ یا غائب بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ایڈووکیٹ جنرل کی سربراہی میں ٹاسک فورس کے قیام کی وقعت محض رجسٹریشن میکانزم کے قیام سے زیادہ نہیں ہوگی تا آنکہ بغیر خاندان کے بچوں، بھاگے ہوئے یا سٹریٹ چلڈرن کی دیکھ بھال کے لئے ریاست اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

گوجرانوالہ 16-17 اگست 2016ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ میں لارڈز ہوٹل کے مقام پر " انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ " کے عنوان سے 16-17 اگست کو دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام لارڈز ہوٹل میں کیا گیا۔ ورکشاپ میں انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری روّیوں کے فروع کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق، ہمارے معاشرے میں روایتی انتہا پسندی کی مختلف شکلیں، ہماری زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل اور مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے جیسے موضوعات زیرِ بحث رہے۔ سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کو آرڈینیٹر عون محمد، ضلعی کوآرڈینیٹر رانا اسرائیل ،قذافی بھٹی، مقدس فردوس اور عمران گل صاحب شامل تھے۔ ورکشاپ میں پندرہ خواتین سمیت 31 افراد نے شرکت کی جن میں صحافی، وکلاء، اساتذہ، سماجی کارکنان، اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ اس کے علاوہ ازیں ورکشاپ میں "ہم انسان"، "ضمیر کی عینک" اور، "ہم آواز اٹھاتے رہیں گے" کے نام سے دستاویزی فلمیں دکھائی گئی اور شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں۔

ورکشاپ کے اغراض و مقاصد

حفیظ بزدار

جب مذہب ہماری سیاست میں شامل ہو گیا تو عدم برداشت اس حدتک بڑھ گئی کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ جو ہم نے کہا وہ ٹھیک ہے اور جو کوئی دوسری بات کرتا ہے وہ واجب القتل ہے۔ اس طرح رواداری کے معاملے میں ہم زیرو ڈگری تک پہنچ گئے۔ آج ہم جس خوفناک موڑ پر کھڑے ہیں اس پر ہر شخص تشویش میں مبتلا ہے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے بغیر کسی خطا کے مارے جاتے ہیں۔ خود مسلمان فرقوں اور ذاتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ غیر مسلم شدید دباؤ کا شکار ہیں۔ سیاست میں مخالفانہ روّیوں کی برداشت نہیں رہی۔ اقتدار کی رسہ کشی میں شدت پسندی آ گئی ہے۔ سیاست میں مذہب کا استعمال لوگوں نے اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا ہے۔ اس طریقے سے ضیاء الحق نے سیاسی اسلام اور جہاد کی بنیاد ڈالی۔ اس نے قوم کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کیا۔ اصل میں آج ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ سیاست میں مذہب کو ہمیں کیا مقام دینا چاہئیے۔ ہماری روزمرہ کی زندگیوں میں اس کا کیا مقام ہے؟ کیا ریاست کا کوئی مذہب ہونا چاہئیے۔ ہر فرد کو اپنے مذہب/عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی

> آج ہم جس خوفناک موڑ پر کھڑے ہیں اس سے ہر شخص تشویش میں مبتلا ہے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے بغیر کسی خطا کے مارے جاتے ہیں۔ خود مسلمان فرقوں اور ذاتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ غیر مسلم شدید دباؤ کا شکار ہیں۔

، مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا ایک دوسرے کا احترام، مختلف قومیتوں اور لسانی گروہوں میں بھائی چارہ ایک ایسے کلچر کے ذریعے ممکن ہوسکتا ہے جس میں فن، موسیقی، مصوری، ادب و شاعری فروغ پاسکیں۔ یہ چیزیں مختلف مذہبی اور لسانی گروہوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کا کام کرتی ہیں۔ کسی معاشرے میں برداشت کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک ایسا جمہوری نظام قائم ہو جائے جس کی بنیاد برابری، آزادی اظہار، مذہبی اور شخصی آزادی پر ہوا اور جس میں ترقی کے اچھے مواقع موجود ہوں۔ ایسی ریاست جو تمام مذہبی، فرقوں اور قومیتوں کے مفادات اور اختلافات سے بالا ہوکر عدل و انصاف کر سکے۔ ایچ آر سی پی کی جانب سے انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ، انتہا پسندی سے آگاہی اور اس کی روک تھام کے لیے پورے ملک میں کوششیں جاری ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کاوش آج کی ورکشاپ ہے اور میں آپ سب کا بہت مشکور ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں مل کر سوچنا ہے کہ انتہا پسندی جیسے سرطان کو روکنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا معاشرہ بہت تیزی سے زوال کا شکار ہوگا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ ہماری ورکشاپ کے مقصد کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

حق سے مراد ایک ایسا مفاد ہے جس کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہر انسان کو پیدائش کے وقت چند بنیادی حقوق مل جاتے ہیں مثلاً زندگی جینے کا حق ،آزادی رائے کا حق ،معلومات لینے کا حق ،مل جل کر بیٹھنے کا حق۔ انسانی حقوق کی تحریک میں ہر دور کے علماء، صوفیا اور انقلابی رہنماؤں نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے احتجاج میں آواز بلند کی ہے۔ اس تحریک کے باقاعدہ آغاز کا سراغ روم اور یونان سے ملتا ہے اور اس سلسلے میں ہمورابی کا قانون بہت اہمیت کا حامل ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ تحریک مختلف مراحل میں سے گزرتی ہوئی عالمی منشور پر آ کر رکی جس نے اس تحریک کو باقاعدہ اور منظّم شکل دی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں جانوں کے ضیاع کے بعد اقوام عالم نے ایک معاہدہ منظور کیا جس کی پہلی شق کے مطابق تمام انسان بلاتفریق رنگ و نسل برابر ہیں۔ اس معاہدے کو دنیا میں انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ 10 دسمبر 1948 کو منظور کیا گیا، اس کی 30 شقیں ہیں جو انسانیت کو تمام بنیادی حقوق دینے کی ضامن ہیں۔ آج 193 مما لک اس معاہدے کو قبول کرتے ہیں اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ انسانی حقوق کو لوگوں تک پہنچانے کا طریقہ بھی خودکار سسٹم کی طرح ہونا چاہیے۔ یعنی لگاتار، مسلسل چلنے والا سسٹم۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام لوگوں کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہونے چاہیے۔

ہمارے ہاں لوگ نظریات کی قدر نہیں کرتے۔ جبکہ ترقی یافتہ مما لک میں لوگ ووٹ صرف اور صرف پارٹی منشور یا پھر پارٹی قیادت کے مستقبل کے منصوبے کو سامنے رکھ کر کاسٹ کرتے ہیں۔ وہاں سیاست ایک ادارہ ہے جو بھی اہل ہوگا اسے موقع ملے گا۔ جبکہ ہمارے ہاں سیاست موروثیت کا شکار

ہے۔ یہاں ہمارے سیاسی حقوق کو قتل کیا جا رہا ہے۔ چونکہ ہم ووٹ غلط کاسٹ کرتے ہیں اس لیے سزا بھی ہمیں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ ہمارہ معاشرہ پانچ معاشرتی ستونوں پر کھڑا ہے خاندان، تعلیم، مذہب، اکنامکس اور معیشت۔ ہماری سوچ کی بنیاد ہمارے خاندان سے شروع ہوتی ہے جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہم اپنے آس پاس کے عوامل کو آہستہ آہستہ اپنا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طرزِ فکر میں تبدیلی کا پہلا سبب خاندان ہے۔ دُنیا میں ہزاروں زُبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ حالات و واقعات اور ضروریات کی پیشِ نظر سامنے آئیں۔ لیکن آج ہر زبان کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اِس طرح مذاہب بھی مختلف ہیں اور ہر کسی کو ایک دوسرے کے عقیدے اور ایمان کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہی ہمارا جمہوری رویہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کریں۔ جب ہم جمہوریت، جمہوریت کی آواز لگاتے ہیں تو پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا ہمارے روّیے اور ہمارے گھروں میں جمہوریت ہے؟ اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر جمہوری روّیے نہیں ہیں اور کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں جو جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے کام کرتا ہو۔ اِسی طرح ہماری سوچ میں تبدیلی کے لیے ہماری کمیونٹی بھی کارفرما ہوتی ہے اور کمیونٹی میں ہماری درسگاہیں اور سکول بھی شامل ہیں۔ اور ہمارے سکولوں میں جو نصاب ہمیں پڑھایا جاتا ہے اُس سے ہماری سوچ کی مزید ترقی ہوتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کے آئین میں بھی انسانی حقوق شامل ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ پتہ ہی نہیں کہ ہمارے حقوق کیا ہیں اور ہم کس سے وہ حقوق مانگ سکتے ہیں یا کون ہمارے حقوق دینے کا مجاز ہے اُس وقت تک حقوق کا حصول ناممکن ہے۔ ہماری درسگاہوں اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیمات کا کہیں بھی ذکر نہیں جبکہ یورپی ممالک میں پانچویں جماعت تک طالب علموں کو اُن کے بنیادی حقوق کا پتا چل جاتا ہے۔ ہماری سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ہمیں بنیادی انسانی حقوق کا پتہ ہونا بہت لازم ہے اور اِس کے لیے انسانی حقوق کی تعلیم کا عام ہونا بہت ضروری ہے۔ لوگوں کو یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ حق کیا ہوتا ہے اور اُسے کیسے اور کہاں سے حاصل کرنا ہے۔ اِس کے لیے ریاست کا کردار مثبت ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ریاست ایک ماں ہوتی ہے اور جس طرح ہماری سوچ کی بنیاد ہمارا خاندان ہے اُسی طرح سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ریاست کردار بھی اہم ہے۔

سوال: آپ سے گزارش ہے کہ تھوڑی سی آئین کی تشریح کردیں؟

جواب: آئین ایسے اصولوں کا مجموعہ ہوتا ہے جنہیں عام طور پر ملک کے منتخب نمائندے طے کرتے ہیں۔ اس میں حکومت چلانے کے طریقہ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔

سوال: جسطرح آپ نے بتایا کہ آئین ہمیں ہمارے بنیادی حقوق دینے کی ضمانت فراہم کرتا ہے تو پھر یہ حقوق ہمیں ملتے نظر کیوں نہیں آتے؟

جواب: یہ ریاست کی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک عام انسان کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ اسکے بنیادی حقوق ہیں کیا تو وہ مانگے گا کیا اور لے گا کیا۔ یہ ایچ آر سی پی والے اور اسی طرح کے سول سوسائٹی کے افراد ایسی کاوش میں لگے ہوئے ہیں کہ ہمیں اپنے آئینی اور بنیادی حقوق سے آگاہی ہو۔

سوال: کسی بامعنی قانون کی منظوری کے لیے ہم لوگ کیا کرسکتے ہیں؟

جواب: پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے قوانین کے بارے میں ہم سب کو اجتماعی طور پر سوچ بچار کرنی چاہیے۔ مجوزہ قانون پر پارلیمنٹ کے اندر اور باہر بحث ہونی چاہیے۔ جہاں کسی مخصوص قانون کی ضرورت ہو تو پارلیمنٹ کو خطوط، اخبارات اور سول سوسائٹی کے ذریعے سے اسکی اطلاع دینی چاہیے

دستاویزی فلم

شرکاء کو ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جس کا عنوان تھا ''ہم آواز اٹھاتے رہیں گے''۔ اس دستاویزی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی تحریک کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔ اور اس کاوش میں ایچ آر سی پی نے پاکستان میں کب سے اور کس طرح اپنا حصہ ڈالا۔

انتہا پسندی کیا ہے؟ اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل

محمد اسرائیل

خیالات یا سوچ کو بہتر سمجھتے ہوئے دوسروں پر مسلط کرنے اور دوسروں کے نظریات کی نفی کرنا، یا کسی معاملے میں انتہائی سطح پر چلے جانا حتی کہ اُس میں کسی بھی قسم کے درمیانی راستے یا مفاہمت کی جگہ باقی نہ رہے تو وہ انتہا پسندی کہلائے گی۔ ہمارے معاشرے میں انتہا پسندی عام ہے جس میں ریاستی انتہا پسندی، مذہبی انتہا پسندی اور صنفی انتہا پسندی شامل ہیں۔ کوئی فرد جب عدم تحفظ محسوس کرتا ہے تو وہ خاندان کا سہارا لیتا ہے اور پھر اس کا دائرہ کار قبیلے، معاشرے اور ریاست تک چلا جاتا ہے۔ تحفظ حاصل کرنے کے لیے لوگ طاقت کے حصول کا راستہ اپناتے ہیں۔ کیونکہ اس کے پاس جتنے زیادہ وسائل ہوں گے اس کے تابع بھی اُتنے زیادہ لوگ ہونگے۔ طاقت کے حصول کی اس جنگ میں اُن کے درمیان انتہا پسندی کے عوامل جنم لیتے ہیں جو معاشرے میں قتل اور تشدد کے واقعات کی وجہ بنتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عورتیں سب سے زیادہ انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو کم تر بنانے کے پیچھے مخصوص طبقاتی ساخت، معاشی اور مذہب سے متعلقہ عوامل کارفرما ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو جس طرح کا ماحول فراہم کریں گے وہ اسی طرح کے ماحول کے عادی ہو جائیں گے۔ اگر ہماری سوچ انتہا پسندانہ ہوگی تو ہمارے بچوں کی سوچ بھی اسی طرح کی ہو گی۔

معاشرے کے مذہبی عنصر میں برداشت کا فقدان ہے جو کہ اب انتہا پسندی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس نے ہمارے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم بھی انتہا پسندی سے پاک نہیں۔ دیگر اقوام اور ریاستوں کے خلاف نفرت اور جنگ کی آبیاری کے لیے درسی کتابوں کو ذریعہ بنانے کے لیے تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ نصاب کے ذریعے اکثریتی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو برتر جبکہ دیگر کو کم تر انسان بیان کیا جاتا ہے سرکاری اداروں میں بھرتی کے اشتہارات میں اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ پاکستان کو اسلامی تشخص دینے کا کام تو ابتدا سے ہی جا رہی ہے مگر 1980ء میں جب یہ عمل عروج پر پہنچا تو ملک میں انتہا پسندی کی موجودگی کے بارے میں شعوری طور پر آگاہ نہیں تھے۔ اسی کو مغرب میں بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرز پر پاکستان میں بھی اسلام کی موجودہ صورت کی تشریح کے لیے مسیحی بنیاد پرستی کی امریکی اور یورپی شکلوں کا سہارا لیا اور ملک میں انتہا پسندی کو فروغ دیا گیا۔ جس کی موجودہ شکل ہمارے سامنے موجود ہے۔ 1949ء کے بعد ریاست نے اسلام کے نفاذ کو قوم کی تعمیر کا اہم ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سمت میں پیش رفت کی۔ اس نے بہت ابتدا ہی میں یہ تعین کر لیا تھا کہ مذہب سے عامیانہ اور جذباتی وابستگی کے حالات میں اسلام قانون سازی کا ہدف حاصل نہیں کیا جا سکے گا لہذا ریاستی اداروں کو قانونی جواز فراہم کرنے کی خاطر مذہبی طبقے کو بھی اقتدار کشتی میں سوار کرنا پڑے گا چنانچہ جلد ہی ایک اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل دی گئی جسے قصداً مذہبی علماء پر مشتمل رکھا گیا۔ مذہبی انتہا پسندی پورے زور شور کے ساتھ اس دوسرے جہاد کے دوران شروع ہوئی جو سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد کے تسلسل میں 1990ء سے کشمیر میں بھارت کے ساتھ نچلی سطح پر محاذ آرائی کی شکل میں چھیڑا گیا۔ اس طرح ریاستی اداروں کی سرپرستی میں مذہبی انتہا پسندی پروان چڑھی اور آج ہم اس کا شکار ہیں۔

روک تھام کے لیے لائحہ عمل: ہمیں انتہا پسندی کو روکنے

کے لیے ا۔ برداشت کے روّیہ کو اپنانا ہوگا، صنفی انسانی فرق کا خاتمہ کرنا ہوگا، رویوں میں مثبت تبدیلی لانا ہو گی، جہادی تنظیموں پر پابندی لگانا ہوگی اور حکومت کو ایسی پالیساں مرتب کرنا ہونگی جس سے انتہا پسندی پر قابو پایا جا سکے۔

سوال: ایک خاندان میں اگر کوئی بڑا کہے چاہے وہ غلط کہے یا صحیح کہے تو سارے گھر والے اُسی کام کو کرنے پہ مجبور کیوں ہو جاتے ہیں؟

جواب: ہمارے معاشرے میں جمہوری رویہ نہیں ہے یہ اس کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ ہم نے اپنی سوچ کو محدود کر لیا۔ ہمیں اپنی سوچ کو تبدیل کرنا ہوگا۔

سوال: ہم ہمیشہ مثبت پہلو کو نہیں بلکہ منفی پہلو کو کیوں دیکھتے ہیں؟

جواب: ہماری سوسائٹی بہتان زدہ ہے۔ ہم وی آئی پی کلچر کے انتخاب کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔

سوال: انتہا پسندی کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

جواب: تعلیم اور جمہوری رویے کے فروغ سے اسکا تدارک ممکن ہے۔

ویب ٹی وی کے متعلق تعارفی پروگرام

حفیظ بزدار

یہ ایک ایسا پروگرام ہے جس کے ذریعے ایچ آر سی پی معاشرے کے وہ پہلو دکھائے گا جو انسانی حقوق سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ان پہلوں پر نہ صرف ریاست کچھ نہیں کر رہی ہے بلکہ ہمارا مرکزی میڈیا بھی ان مسائل کو اجاگر نہیں کر رہا۔ مثال کے طور پر اگر کسی قصبہ، شہر یا علاقے کے ہسپتال، صاف پانی، سیوریج، بچوں پر تشدد، عورتوں کے حقوق کا تحفظ وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہے تو ہماری سول سوسائٹی کے ارکان یا آپ جیسے ہم خیال لوگ ہمیں اس مسئلے کی ویڈیو کلپ اور اس سے متعلق تمام معلومات ای میل کر سکتے ہیں یا ہمارے مرکزی دفتر کے ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں یا پھر ہمیں وٹس اپ کر سکتے ہیں۔ آپ کے علاقے کا وہ مسئلہ ہم اپنی ویب ٹی وی کی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کریں گے اور متعلقہ دفتر یا محکمے کو رپورٹ بھی کریں گے۔ اور شرکاء کو اس طرح کی نمونے کے طور پر ویڈیو کلپس دکھائی بھی گئیں۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

قذافی بھٹی

اس سیشن کا مقصد ایک بہتر پاکستانی کی تعمیر کرنا جو ایک بہتر قوم اور بہتر انسان پیدا کرے۔ جو نہ صرف اپنے حقوق سے آگاہ ہو بلکہ دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض بھی پورے کرتا ہو۔ HRCP کا مقصد بھی دراصل ایک بہتر اور اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ معاشرے کا قیام ہے اور یہ مقصد انشاء اللہ بہت جلد پورا ہونے جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان نیک نیتی سے کوشش کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جیسے چند لوگوں نے کوشش ایمانداری سے کی اور ایک بدنامِ زمانہ ٹریفک پولیس ایک نیک نام موٹروے پولیس کے روپ میں ڈھل گئی۔ بہتر پاکستان اور معاشرہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بہتر انسان پیدا کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہتر انسان کون ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی طرزِ فکر اور سوچ کے لحاظ سے کئی اقسام ہیں اور بہتر انسانی وہ ہیہ جو دوسری مخلوقات سے اعلیٰ سوچ رکھے۔

> انسانی حقوق اگر نصاب کا حصہ بن جائیں تو ہر کوئی آسانی سے ان سے آگاہ ہوسکتا ہے۔ اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہی پانے سے جمہوری اقدار بھی فروغ پائیں گی۔

طرز فکر کی اقسام

سوچ کے لحاظ سے انسان کی تین قسمتیں ہوتی ہیں خودغرض، غیر جانبدار اور قربانی دینے والا۔ اگر ہم دوسری مخلوقات کی سوچ سے موازنہ کروائیں تو خودغرض انسان اشرف المخلوقات نہیں ہوسکتا اور غیر جانبدار انسان جیسا کام بھی بہت سی مخلوقات کر رہی ہیں جیسا کہ مرغابیاں بھی عام انسان سے بہتر کام کر رہی ہیں۔ مثلاً لائن بنانا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، دوسرے کے لیے اپنا سفر چھوڑنا جبکہ قربانی دنیا والا انسان ایسا ہے جس کا مقابلہ باقی کوئی مخلوق نہیں کرسکتی اس لیے وہی صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلوانے کا حقدار ہے اور یہی بہتر انسان ہے۔ صرف انسان ایسی مخلوق ہے جو مثبت کو منفی اور منفی سوچ کو مثبت میں بدل سکتی ہے۔ اگر مثبت سوچ نہ آئے تو مثبت عمل سے سوچ مثبت ہو جاتی ہے۔ یہ تمام باتیں مثبت سوچ کے بارے میں جو آج ہم کر رہے ہیں یہ بہت پہلے سکول کی سطح پر ہو جانی چاہیے تھیں۔ مختلف کہانیوں کی صورت میں یہ بچوں کو ذہن نشیں ہو جانی چاہیے تھی۔ اور ٹیم ورک کی صورت میں پڑھایا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح انسانی حقوق اگر ہمارے نصاب کا حصہ ہوتے تو آج نہ پولیس اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرسکتی نہ ہمیں بلاوجہ بغیر وارنٹ گرفتار کر لیا جاتا نہ 24 گھنٹے سے زیادہ حراست میں رکھا جاتا اسی طرح کتنی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جو آج ہم برداشت کر رہے ہیں۔ پھر اسی طرح جو آئین ہمیں انسانی حقوق فراہم کرتا ہے وہ کم از کم میٹرک لیول تک ہمارے کسی مضمون کا حصہ ہونے چاہیں تا کہ تمام نئی نسل کو زبانی یاد ہو جائیں۔ انسانی حقوق اگر نصاب کا حصہ بن جائیں تو ہر کوئی آسانی سے ان سے آگاہ ہوسکتا ہے۔ اپنے حقوق سے اور فرائض سے آگاہی پانے سے جمہوری اقدار بھی فروغ پائیں۔

ہم سب لوگ کم از کم اپنی حدود میں رہ کر معاشرے کی بہتری کے لیے اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (HRCP) ایک اُمید کی کرن ہے جس کے پلیٹ فارم سے ہم اپنی آواز ارباب اختیار تک پہنچا سکتے ہیں اور HRCP کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے ہم ان کے دست و بازو بن کر نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہم یہ علم آگے تک منتقل کر سکتے ہیں جس سے عوام میں بیداری پیدا ہوگی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جب سب لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے تو خود بخود جمہوری اقدار معاشرے کا حصہ بنیں گی۔

انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

حفیظ بزدار

انتہا پسندی ان بنیادی مسائل میں سے ایک ہے جو پاکستانی ریاست اور معاشرے کو درپیش ہیں۔ اس کی جڑیں شاید پاکستان کے قیام سے بھی پہلے جا نکلتی ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں یہ مسئلہ افقی اور عمودی دونوں اطراف میں پھیلتا رہا ہے۔ ایک طرف بہت سے عوامل اور کردار اس میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں تو دوسری طرف بہت سے بے گناہ افراد اور گروہ بھی اس کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ پاکستانی میڈیا حال ہی میں جس نے ایک نئی طاقت اور اہمیت حاصل کی ہے وہ بھی ابتدائی ایام سے لے کر آج تک اس سارے عمل میں ایک عامل کے طور پر موجود رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ شدت پسند گروہوں کا نشانہ بھی بنتا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستانی میڈیا نے کس حد تک انتہا پسندی کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان میں ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کے مظہر کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ 1950ء کی دہائی میں حکومت نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹوریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ معاملہ ایک انکوائری کمیٹی کے روبرو پیش ہوا اور نوائے وقت کے حمید نظامی نے اس کی توثیق کی۔ ذرائع ابلاغ کو باقی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں کیا جا

سکتا۔ معاشرتی عوامل اس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

مبشر بخاری لکھتے ہیں کہ ضیاء الحق کے دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہونے کی با قاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ جماعت اسلامی چونکہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھی اور ضیاء نے جماعت اسلامی کو افغان جنگ میں بھی استعمال کیا تھا، اس کے بہت سے لوگ ذرائع ابلاغ میں شامل ہوگئے۔ جنھوں نے پنجاب یونین آف جرنلسٹس کی بنیاد رکھی وہ تمام ایک مذہبی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ عسکریت پسند تھے اور اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر لوگوں کی جانیں لے رہے تھے۔ اس گروپ کے لوگوں نے اپنے اپنے لوگ شامل کئے اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کو خریدا اور اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اس قسم کے لوگ اگر چہ اخبارات کی پالیسی کو براہ راست متاثر نہیں کرتے تاہم اگر اک شخص نیوز روم میں یا رپورٹنگ روم میں ایک خاص سوچ لیکر بیٹھا ہوا ہے تو اسکے پاس موقع ہوتا ہے وہ کسی بھی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یا کوئی خبر اس طرح دے کہ اسکی اہمیت کم ہو جائے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے معاملے پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ اسی طرح جن تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف ان کے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔ اگر کہیں پٹاخہ بھی پھٹتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنی گئی ہے اور پولیس جگہ کا تعین کر رہی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کو بہت زیادہ کوریج ملتی ہے۔ بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو اس قسم کی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن وہ باجوڑ یا کسی ایسی جگہ بیٹھ کر ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ میں گیٹ کیپنگ کی روایت معدوم ہے حالانکہ جو شخص میڈیا سے منسلک ہے اسے ایک گیٹ کیپر کے طور پر کام کرنا چاہیے۔ نیوز رپورٹر یا ایڈیٹر کو خبر کی اشاعت کے حوالے سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خبر فائدے کی نسبت زیادہ نقصان کرے گی تو وہ اسے روک لے۔

ہمارا الیکٹرانک میڈیا حال ہی میں سامنے آیا ہے اور لوگ اس کے لیے مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں جب کوئی چیز تحریر ہوتی ہے تو تحریر کرنے والے کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ وہ اس کو دوبارہ دیکھ سکے اور پھر وہ تحریر مدیر کی نظر سے بھی گزرتی ہے۔ لیکن الیکٹرانک میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ الیکٹرانک میڈیا کے رپورٹروں کے پاس ضرورت سے زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ یہ ان عوامل میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے ہمارے ٹی وی چینل شدت پسندی سے متعلق واقعات کو اکثر غیر موزوں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے پاس کوئی ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا مقابلتاً نوخیز ہے۔

ام احسان جو لال مسجد کے خطیب عبدالعزیز کی اہلیہ ہیں کا ایک کارٹون ایک اخبار میں چھپا تو اس اخبار کو کھلے عام دھمکی دی گئی کہ وہ اسکے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہے۔ نماز جمعہ کے بعد لال مسجد میں اس اخبار کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ انہوں نے اخبار کے خلاف الزام عائد کیا کہ اس کی پالیسی جہاد کے خلاف ہے اور اسے سبق سکھایا جائے۔ اگر شدت پسندوں کے خلاف کوئی خبر شائع ہوتی ہے تو ذرائع ابلاغ پر الزام عائد کیا جاتا ہے وہ خلاف اسلام باتیں چھاپ رہا ہے۔ 1981 میں ایک بڑے اخبار نے ایک طلبہ تنظیم کی خبر چھاپی۔ طلبہ دو بسوں میں سوار ہو کر آئے اور اخبار کے دفتر کو آگ لگا دی۔ اسکے بعد آج تک اس اخبار نے اس طلبہ تنظیم کے خلاف کوئی خبر نہیں چھاپی۔

میڈیا دراصل مارکیٹ فورسز کے تحت چل رہا ہے۔ پہلے جب میڈیا حکومت کی تحویل میں تھا تو مارکیٹ اسکے اثر سے آزاد تھا۔ اب مارکیٹ کیا چاہتی ہے وہ معاشرے کا عمومی طرز عمل ہے۔ میڈیا بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اگر معاشرہ انتہا پسند نظریات سے لیس ہے، یعنی اگر ریاست کی عمل داری کم ہو چکی ہے اور انتہا پسند حلقوں کا رسوخ معاشرے پر زیادہ ہے تو میڈیا میں بھی وہی چیز آپ کو نظر آئے گی۔

میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اس لئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی ہے خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے اسے تجربہ نہیں ہے، رہنمائی بھی نہیں ہے اور جو ہے وہ بڑی عوامی قسم کی ہے کہ چینل بڑا مقبول ہو جائے گا۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ میڈیا اس امر کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

مقدس فردوس

پاکستان میں جمہوری نظام بہت نازک دور سے گزر رہا ہے اور مسلسل دباؤ میں ہے۔ انتخابات کے ذریعے اسے جو قانونی جواز ملا ہے وہ محض برائے نام ہے کیونکہ اس سے عوام میں شراکت کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ فوجی آمریت کے طویل ادوار کی روایات کی وجہ سے جمہوری عمل محدود ہے۔ پارلیمانی جمہوریت کو بدستور ان آئینی پابندیوں سے خطرہ ہے جو اقتدار میں فوجی اسٹیبلشمنٹ کا حصہ برقرار رکھنے کے لیے اس پر مسلط کی گئی ہیں۔ تاہم پارلیمنٹ کی جانب سے اپنی بالا دستی برقرار رکھنے کے لیے حالیہ کوششیں حوصلہ افزاء ہیں۔

پاکستان کی جمہوری ترقی کے لیے قومی یکجہتی کے مسائل بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ وفاقی نظام اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کی تکمیل صوبائی خود مختاری کے ساتھ کی جائے۔ پاکستان میں آبادی کے تنوع کو تسلیم کیا جائے اور مختلف نسلی گروپوں کے مفادات کا خیال رکھا جائے تا کہ لوگوں میں شراکت کا احساس پیدا ہو۔ ریاست کے لیے ایک نظریاتی بنیاد کے نام پر جارحانہ دعوں سے عدم رواداری کی مختلف صورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ مذہب ملک کی آبادی کو اول اور دوئم درجے کے شہریوں میں تقسیم کرنے کا باعث بنا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر شہریوں کو اکثریت اور اقلیت میں تقسیم کرنا جمہوریت کے لیے صحت مند علامت نہیں ہے۔ پاکستان میں ریاست اور سول سوسائٹی کے درمیان باہمی تعاون کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ریاستی حکام اور ٹریڈ یونین تحریک یا سیاسی جماعتوں کے درمیان آئے دن محاذ آرائی کی جگہ ریاست کے اداروں میں چیک اینڈ بیلنس کے لیے سول سوسائٹی کے ادارے جگہ نہیں لے سکے۔ حالیہ برسوں میں پاکستان میں کسی حد تک سول سوسائٹی ابھرتی نظر آرہی ہے، تاہم ریاستی اداروں کو ابھی پورے طور پر انکے وجود کو تسلیم کرنا اور انکی مداخلت کی قانونی حیثیت کو جائز سمجھنا باقی ہے۔

اظہار رائے اور انجمن سازی کی بنیادی حقوق کے استعمال میں خاصی بہتری آئی ہے۔ ان مثبت علامات کو سماجی روّیوں میں تبدیلی لانے اور جمہوریت کی نشوونما کے لیے ایک بہتر ماحول پیدا کرنے کے لیے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ ان آزادیوں کو لاحق خطرات ختم کیے جانے چاہئیں۔ اگر چہ 1988ء کے بعد سے شراکتی جموریت کے امکانات میں اضافہ ہو گیا ہے تاہم حکومت پر مرکزی کنٹرول کم ہونا چاہیے تا کہ نچلی سطح پر بھی جمہوریت جڑ پکڑ سکے۔ اگر اقتدار مرکز تک محدود ہو تو مطلق العنانی کے رجحانات جنم لیتے ہیں۔ آمریت اور خواص کی حکمرانی کا موثر علاج اختیارات کی نچلی سطحوں تک تقسیم ہے۔ اس بات کی کوشش کی جائے کہ حکمرانی کے مسائل کے بارے میں قومی اتفاق رائے پیدا ہو سکے۔ قومی مسائل کے بارے میں فیصلوں میں چھوٹے صوبوں کو زیادہ شریک کیا جائے اور پالیسیوں میں آبادی کے تنوع کا لحاظ رکھا جائے۔ سول سوسائٹی کے لیے زیادہ سازگار ماحول پیدا کیا جائے۔ این جی اوز کے کام کرنے پر پابندیاں ختم کی جائیں اور الیکٹرانک میڈیا کو حکومت کے کنٹرول سے آزاد کیا

جائے۔ تدریسی آزادی کی ضمانت دے جائے۔ تحقیقی سرگرمیوں، نصابی کتب کی تیاری اور طلبہ کے معاملات کی انتظام کاری میں مداخلت بند کی جائے۔ مذہبی آزادی اور آزادی اظہار کو کچلے بغیر مذہبی عدم رواداری کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔توہین رسالت کے قانون پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ یہ سب کرنے کے بعد ہی پاکستان کے جمہوری نظام میں مضبوطی آئے گی اور اس سے معاشی ترقی بھی ہوگی اور انسانی حقوق کی بھی پاسداری ہوگی۔

سوال: پاکستان میں انتخابی طریقہ کار بہت پرانا ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں جس سے عام انسان کو ووٹ کے حق کا استعمال آسان ہو سکے؟

جواب: پاکستان میں الیکشن کے بارے میں بہت کم تحقیق کی گئی ہے جو کام ہوا ہے اسکا بیشتر حصہ 1993ء کے انتخابات پر مبنی ہے۔ بہت سے تجزیہ کرنیوالوں نے متعدد عوامل کی نشاندہی کی ہے جو انتخابی عمل کے غیر جانبدارانہ، منصفانہ اور شرکت کی متوقع سطح سے کم تر ہونے کا سبب بنے ہیں جس میں ووٹرز رجسٹریشن، حلقوں کی حد بندی، ووٹرز کی شناخت اور پولنگ وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ عدالتی نظام جو کہ کسی بھی جمہوری ملک کا حسن کہلاتا ہے وہ بہت ہمارے ہاں انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہو چکا ہے جس کی وجہ سے شاید جمہوریت یہاں پھل پھول نہیں رہی؟

جواب: میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں۔ عدالتی نظام سے انصاف کی فراہمی میں ناکامی سے قانون کی حکمرانی کا احترام کم ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں عوام میں قانون کے احترام سے گریز کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ یہ تصور بھی عام ہوا ہے کہ عدالتی نظام موثر نہیں رہا اور اس کو حکومتی نتظامیہ کی زیادتیوں کا جواز بنا لیا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ انصاف عام قوانین کے تحت عام عدالتوں کے ذریعے فراہم کیا جائے۔ عدالتی معاملات میں تاخیر بڑی تشویش کی بات ہے۔

سوال: کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ اس جمہوری معاشرے میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی زندگی، آزادی، اور ذاتی سلامتی کے حقوق کے خلاف ورزی کے امکانات زیادہ ہیں؟

جواب: ایک طرف تو سماجی رویے، ثقافتی طور طریقے اور مذہبی نظریات خواتین کے خلاف تشدد کی اجازت دیتے ہوں اور دوسری جانب قانون بھی یا تو خواتین کو تشدد کے خلاف معقول تحفظات فراہم کرنے میں ناکام رہتا ہے یا پھر ایسے رویوں کو فروغ دینے میں ناکام رہتا ہے جو خواتین کو ان کے بنیادی حقوق کے استعمال کے سلسلے میں سازگار ہوں۔

مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے

عمران گل

اس میں کوئی شک نہیں کی پاکستان میں عدم رواداری بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے تدارک کے لیے کچھ کرنا چاہئے عدم رواداری کی جڑیں بہت گہری اور پرانی ہیں۔ ان جڑوں کو جب موقع ملتا ہے وہ پھلتی پھولتی ہیں۔ ایک ہمارے دل میں کیا پوری دنیا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آزادی ہر قوم کا حق ہے۔ قومیں بنی چاہئیں۔ 1945ء میں قوام متحدہ کے 40/45 ممبر تھے اب دوسو ہیں۔ ہر کوئی کہتا ہے کہ میری قوم باقی سب سے برتر ہے، میری زمین مقدس زمین ہے اس پر کوئی قبضہ نہیں ہوسکتا۔ ہم نے بھی قومیت پرستی کا مذہب اختیار

> پاکستان کی جمہوری ترقی کے لیے قومی یکجہتی کے مسائل بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔ وفاقی نظام اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جب اس کی تشکیل صوبائی خودمختاری کے ساتھ کی جائے۔

کرلیا۔ انڈیا سے نفرت کرنا اور افغانوں کو الگ سمجھنا ہماری سماجی اقدار میں شامل ہوگیا ہے۔ مسلمان اگر کہیں کہ ہم الگ قوم ہیں تو بنگالی کیوں نہ کہیں کہ ہم الگ قوم ہیں۔ اب اگر بنگالی کہیں کہ ہم الگ قوم ہیں تو سندھی کیوں نہ کہیں؟ اسی طرح پٹھان کیوں نہ کہیں بلوچ کیوں نہ کہیں ہم ایک الگ قوم ہیں؟ یہ قوم پرست کی بات آگئی ہے جس کی جڑ نارواداری ہے۔ جب تک ملک میں انصاف نہیں ہوگا، نفرتیں بڑھتی رہیں گی۔ سب کو زندگی میں کھانے کو ملے اور تحفظ ملے تو لوگ آپس میں خوشی سے رہتے۔ بھوکا پیٹ ہو اور نفرت نہ کرے تو کیا کرے۔ ملا کہتا ہے کہ دنیا اچھی نہیں ہے۔ جو اسلام کے دشمن ہیں انہیں قتل کرو ۔ مر گئے تو شہید، نہیں مرے تو غازی۔ یہ سب عدم برداشت کا شاخسانہ ہے۔

لوگوں کے مسائل کا حل سیاسی ہونا چاہئیے ۔ ہماری ریاست میں جمہوریت تو آگئی ہے لیکن اس جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لیے درکار طاقتور سماجی ضرورتوں کی کمی ہے۔ یہ اجتماعی شعور اور کاوش سے ہی ممکن ہوگا۔ دوسری یہ کہ ہمارے نوجوان افراد کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے لیکن ان کے پاس نہ تعلیم ہے نہ کوئی ہنر یا کوئی صلاحیت۔ ہم سلامتی کو ترقیاتی عینک سے نہیں دیکھتے صرف فوجی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ان معاملات کے بارے میں ٹھیک سیاسی فیصلے کرنا ضروری ہے۔ سماجی تحریکوں کو ان معاملات میں دلچسپی لینی ہوگی اور سب سے اہم بات یہ کہ اپنے نصاب کو تبدیل کرنا ہوگا جس میں عدم رواداری کا درس دیا گیا ہے۔

ننکانہ صاحب 18-19 اگست 2016ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام گولڈن ریسٹورنٹ ننکانہ صاحب میں " انتہاپسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ " کے عنوان سے 18-19 اگست کو دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ ورکشاپ میں حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، انتہاپسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل، انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت، مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے اور پنجاب میں کمسن بچوں کے نظام انصاف پر عملدرآمد کی صورتحال جیسے موضوعات زیرِ بحث رہے۔ سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے پرگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کو آرڈینیٹر عون محمد، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد تنویر، عبدالحمید رحمانی، فضیل اشرف بلوچ، منصور معین اور ڈاکٹر عابد علی عابد صاحب شامل تھے۔ اس ورکشاپ میں 17 خواتین سمیت 32 افراد نے شرکت کی جن میں سکھ برادری، مسیحی برادری، صحافی، وکلاء، اُساتذہ، سماجی کارکنان، اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ علاوہ ازیں ورکشاپ میں " ہم انسان "، " ضمیر کی عینک " اور، " ہم آواز اٹھاتے رہیں گے " کے نام سے دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں اور شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

عون محمد

جب زندگی اور مذہب کے درمیان رشتہ کٹ جاتا ہے تو زندگی کسی نہ کسی سمت میں جاری رہتی ہے، لیکن مذہب ایسی بے جان شے بن جاتا ہے جس میں نہ لچک اور نہ ترقی کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور یہ مسجدوں اور خانقاہوں کی حدود میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ انسانیت نے سائنس اور فلسفے میں زبردست ترقی کر لی ہے جبکہ مذہب صدیوں سے جامد رہا ہے۔ اسلام کا معجزہ یہ تھا کہ اس نے بت پرستی کا خاتمہ کردیا اور مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو ایک بت کی شکل دے دی ہے۔ اسلام کے بارے میں اس جدید سوچ سے مذہبی انتہاپسندی کی مخالفت جھلکتی ہے لیکن ریاست اپنی پالیسی کے اعلانات کے

باوجود اسلامی اصطلاحات استعمال کرتی رہی۔

پاکستان میں انتہاپسندی کے موضوع پر اگرچہ بہت زیادہ توجہ دی جارہی ہے مگر اسکے باوجود اسکو سمجھنے اور اسکی وجوہات کی نشاندہی کرنے میں بے شمار شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، ماہرین کے مطابق انتہاپسندی ایک ایسا طرزِعمل ہے جو معاشرتی بے سکونی کا باعث بنتا ہے۔ ایچ آر سی پی کی جانب سے انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ، انتہا پسندی سے آگاہی اوراس کی روک تھام کے لیے پورے ملک میں کوششیں جاری ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کاوش آج کی ورکشاپ ہے اور میں آپ سب کا بہت مشکور ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں مل کر سوچنا ہے کہ انتہا پسندی جیسے سرطان کو روکنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا معاشرہ بہت تیزی سے زوال کا شکار ہوگا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ ہماری ورکشاپ کے مقصد کو اچھی طرح سمجھیں اور باہمی رواداری کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

حق سے مراد ایک ایسا مفاد ہے جس کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہر انسان کو پیدائش کے وقت چند بنیادی حقوق مل جاتے ہیں مثلاً زندگی کا حق، آزادی رائے کا حق، معلومات لینے کا حق، مل جل کر بیٹھنے کا حق۔ انسانی حقوق کی تحریک میں ہر دور کے علماء، صوفیا اور انقلابی رہنماؤں نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے احتجاج میں آواز بلند کی ہے۔ اس تحریک کے باقاعدہ آغاز کا سراغ روم اور یونان سے ملتا ہے اوراس سلسلے میں ہمورابی کا قانون بہت اہمیت کا حامل ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ تحریک مختلف مراحل میں سے گزرتی ہوئی عالمی منشور پر آ کر رکی جس نے اس تحریک کو باقاعدہ اور منظم شکل دی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں جانوں کے ضیاع کے بعد اقوام عالم نے ایک معاہدہ منظور کیا جس کی پہلی شق کے مطابق تمام انسان بلاتفریق رنگ ونسل برابر ہیں۔ اس معاہدے کو دنیا میں انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ 10 دسمبر 1948 کو منظور کیا گیا، اس کی 30 شقیں ہیں جو انسانیت کو تمام بنیادی حقوق دینے کی ضامن ہیں۔ آج 193 ممالک اس معاہدے کو قبول کرتے ہیں اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ انسانی حقوق کو لوگوں تک پہنچانے کا طریقہ بھی خودکار سسٹم کی طرح ہونا چاہیے۔ یعنی لگاتار، مسلسل چلنے والا سسٹم۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام لوگوں کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہونے چاہیے۔

ہمارے گردونواح میں بااثر افراد نے سیاست کو ذاتی کاروبار یا جاگیر بنالیا ہے۔ ہم لوگ بھی ووٹ کاسٹ کرتے وقت اپنے محلوں کے چودھریوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں لوگ نظریات کی قدر نہیں کرتے۔ جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں لوگ ووٹ صرف اورصرف پارٹی منشور یا پھر پارٹی قیادت کے مستقبل کے منصوبے کو سامنے رکھ کر کاسٹ کرتے ہیں۔ وہاں سیاست ایک ادارہ ہے جو بھی اہل ہوگا اسے موقع ملے گا۔ جبکہ ہمارے ہاں سیاست موروثیت کا شکار ہے۔ یہاں ہمارے سیاسی حقوق کو قتل کیا جارہا ہے۔ چونکہ ہم ووٹ غلط کاسٹ کرتے ہیں اس لیے سزا بھی ہمیں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ ہمارہ معاشرہ پانچ معاشرتی ستونوں پر کھڑا ہے خاندان، تعلیم، مذہب، اکنامکس اور معیشت۔ ہماری سوچ کی بنیاد ہمارے خاندان سے شروع ہوتی ہے جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہم اپنے آس پاس کے عوامل کو آہستہ آہستہ اپنا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طرزِفکر میں تبدیلی کا پہلا سبب خاندان ہے۔ دُنیا میں ہزاروں زُبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ حالات و واقعات اور ضروریات کی پیش نظر سامنے آئیں۔ لیکن آج ہر زبان کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اِس طرح مذاہب بھی مختلف ہیں اور ہر کسی کو ایک دوسرے کے عقیدے اور ایمان کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہی ہمارا جمہوری رویہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کریں۔ جب ہم جمہوریت، جمہوریت کی آواز لگاتے ہیں تو پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا ہمارے روّیے اور ہمارے گھروں میں جمہوریت ہے؟ اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر جمہوری روّیے نہیں ہیں اور کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں جو جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے کام کرتا ہو۔ اِسی طرح ہماری سوچ میں تبدیلی کے لیے ہماری کمیونٹی بھی کارفرما ہوتی ہے اور کمیونٹی میں ہماری درسگاہیں اور سکول بھی شامل ہیں۔ اور ہمارے سکولوں میں جو نصاب ہمیں پڑھایا جاتا ہے اُس سے ہماری سوچ کی مزید ترقی ہوتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کے آئین میں بھی انسانی حقوق شامل ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ پتہ ہی نہیں کہ ہمارے حقوق کیا ہیں اور ہم کس سے وہ حقوق مانگ سکتے ہیں یا کون ہمارے حقوق دینے کا مجاز ہے اُس وقت تک حقوق کا حصول ناممکن ہے۔ ہماری درسگاہوں اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیمات کا کہیں بھی ذکر نہیں جبکہ یورپی ممالک میں پانچویں جماعت تک طالب علموں کو اُن کے بنیادی حقوق کا پتا چل جاتا ہے۔ ہماری سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ہمیں بنیادی انسانی حقوق کا پتہ ہونا بہت لازم ہے اور اس کے لیے انسانی حقوق کی تعلیم کا عام ہونا بہت ضروری ہے۔ لوگوں کو یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ حق کیا ہوتا ہے اور اُسے کیسے اور کہاں سے حاصل کرنا ہے۔ اِس کے لیے ریاست کا کردار مثبت ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ریاست ایک ماں ہوتی ہے اور جس طرح ہماری سوچ کی بنیاد ہمارا خاندان ہے اُسی طرح سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ریاست کردار بھی اہم ہے۔

سوال: آپ سے گزارش ہے کہ تھوڑی سی آئین کی تشریح کردیں؟

جواب: آئین ایسے اصولوں کا مجموعہ ہوتا ہے جنہیں عام طور پر ملک کے منتخب نمائندے طے کرتے ہیں۔ اس میں حکومت چلانے کے طریقہ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔

سوال: جسطرح آپ نے بتایا کہ آئین ہمیں ہمارے بنیادی حقوق دینے کی ضمانت فراہم کرتا ہے تو پھر یہ حقوق ہمیں ملتے نظر کیوں نہیں آتے؟

جواب: یہ ریاست کی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک عام انسان کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ اسکے بنیادی حقوق ہیں کیا تو وہ مانگے گا کیا اور لے گا کیا۔ یہ ایچ آر سی پی والے اور اسی طرح کے سول سوسائٹی کے افراد ایسی کاوش میں لگے ہوئے ہیں کہ ہمیں اپنے آئینی اور بنیادی حقوق سے آگاہی ہو۔

سوال: کسی بامعنی قانون کی منظوری کے لیے ہم لوگ کیا کرسکتے ہیں؟

جواب: پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے قوانین کے بارے میں ہم سب کو اجتماعی طور پر سوچ بچار کرنی چاہیے۔ مجوزہ قانون پر پارلیمنٹ کے اندر اور باہر بحث ہونی چاہیے۔ جہاں کسی مخصوص قانون کی ضرورت ہو تو پارلیمنٹ کو خطوط، اخبارات اور سول سوسائٹی کے ذریعے سے اسکی اطلاع دینی چاہیے۔

دستاویزی فلم

شرکاء کو ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جس کا عنوان تھا ''ہم آواز اٹھاتے رہیں گے'' اس دستاویزی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی تحریک کا آغاز کب سے اور کسطرح ہوا۔ اوراس کاوش میں ایچ آر سی پی نے پاکستان میں کب سے اور کس طرح اپنا حصہ ڈالا۔ شرکاء نے ہماری اس کاوش کو بہت سراہا۔

مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے

عبدالحمید رحمانی

11 اگست 1947ء کی تقریر میں قائد اعظم نے پاکستان کی پوری آئیڈیالوجی کو سامنے رکھ دیا اور پاکستان کے لئے رہنما اصول متعین کر دیا تھا لیکن اس تقریر کو قوم سے چھپایا گیا اور نصاب سے نکال دیا گیا کیونکہ ریاست کے بعض

عناصر قائد کا پاکستان نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ پہلی قانون ساز اسمبلی کے سپیکر جوگندر ناتھ منڈل تھے اور 12 سے زائد ہندو اس اسمبلی میں پاکستان کی حمایت میں پورے جوش و جذبے سے موجود تھے اور 1949ء تک متحرک رہے جب تک قرار داد مقاصد منظور نہیں ہوئی۔ قرار داد مقاصد کے ذریعے کچھ ایسی چیزیں پاکستان کی نظریاتی ساخت میں شامل کر دی گئیں جو قائد کی 11 اگست والی تقریر کے خلاف تھیں۔ اس کے بعد وہ لوگ پاکستان سے مایوس ہو گئے مذہبی رواداری ختم ہو گئی۔ پاکستان کے قائم ہوتے وقت ملک میں 25% اقلیتیں موجود تھیں جن میں 25000 ہزار یہودی بھی تھے اب کوئی بھی نہیں ہے۔ پاکستان بنانے میں شریک اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں جبکہ ایس پی سنگا سپیکر پنجاب اسمبلی نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ اس کے بعد انتہا پسندی میں اضافہ کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہا کہ 1977-88 کے مارشل لاء دور میں بہت سے مذہبی اور نسلی اور علاقائی مسائل نے جنم لیا۔ 1971 میں گورنمنٹ نے تمام پرائیویٹ اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا جس ملک میں موجود اقلیتوں کے تمام ادارے گورنمنٹ کنٹرول میں چلے گئے جس سے ان میں اپنے اثاثہ جات کے غیر محفوظ ہونے کا احساس بھی ابھر کر سامنے آیا اور ان میں بعض ادارے واپس ملے تو وہ ان کی حالت قابل رحم تھی۔ 1985ء میں اسرائیل میں چند گروپوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کرنے کے ردعمل میں پاکستان میں چرچ پر حملہ ہوا۔ اسی طرح بے بنیاد الزامات لگا کر شانتی نگر میں مسیحوں کی بستی پر حملہ کر دیا اور اسے صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا۔

ایک سلائیڈ کی مدد سے بتایا گیا کہ پرامن معاشرے کے قیام کے لئے انصاف کے تین اہم جزو ہیں بنیادی حقوق، سچائی اور معقولیت۔ کیونکہ ہر شخص کیلئے بنیادی حقوق کی پاسداری اور تحفظ ضروری ہے اور امن کی پامالی دراصل نا انصافی ہے۔ انصاف کے حصول کے لئے سچائی اور معقولیت کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ انصاف پر مبنی خوشحال معاشرہ کے لئے ایسے حالات کو پیدا کرنا اور برقرار رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ دنیا کے دیگر ممالک میں جو شہری سہولیات ہیں ان کے مطابق اگر ہمارے بھی حقوق ان جیسے ہیں تو ہم بھی امن میں ہیں۔ ہمارا معاشرہ اس وقت کافر ہونے کے فتوے تو لگاتا ہے لیکن انسان ہونے کی توقیر کا خیال نہیں کر رہا۔ امن کی فضا میں آپ دیگر لوگوں سے مکالمہ کریں گے تو آپ کو ان کی خوبیوں کا اندازا ہوگا۔ جنگ کی حالت میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ لوگ اللہ کے لئے لڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ کو جاننے کو تیار نہیں۔ لوگوں کے اندر محبت عقل دانش کا اس وقت پتا چل سکتا جب امن ہو۔ امن دل سے محسوس کی جانے والی چیز ہے اگر دل امن کا احساس دے تو سمجھو امن ہے ورنہ نہیں۔ کینڈا میں 70-60 فی صد لوگ گھر سے نکلتے ہوئے گھروں کو تالے نہیں لگاتے۔ تمام مذاہب نے امن کی تعلیم دی ہے لہذا انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انتہا پسندی کے خاتمہ اور مذہبی اور مسلکی تعصّبات کے خاتمہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس سلسلہ میں ایک سلائیڈ کی مدد سے امن ومصالحت کے مختلف طریقے واضح کئے گئے جن میں قیام امن بذریعہ بین المذاہب مکالمہ، قیام امن بذریعہ ابلاغ عامہ اور مؤثر رابطہ، قیام امن بذریعہ ترقیاتی شعبہ جات اور بحالی، قیام امن بذریعہ تبادلہ وفود (یوتھ، خواتین، طلبہ، سٹڈی گروپس، اور مشترکہ سرگرمیاں)، قیام امن بذریعہ پیروکاری عدم تشدد، شہریوں کی مشترکہ جدو جہد، قیام امن بذریعہ سہل کاری، مثبت مکالمہ اور ثالثی کردار اور قیام امن بذریعہ تحقیق شامل تھے۔

ہم سب کو ریاست پر زور دینا ہوگا کہ وہ متنازعہ مواد کی اشاعت کو روکے دوسرے مذاہب کو پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

شرکا میں سے مسٹر مجید نے کہا کہ ایک مسیحی شہید کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب سہولت کار نے دینا چاہا تو ایک دوسرے شریک کار نے اجازت طلب کی اور اس دوست کو بتایا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق شہید ہے کیونکہ اس نے ملک قوم کی خاطر اپنی جان قربان کی ہے۔ سیشن میں ملٹی میڈیا کے علاوہ انٹرا ایکٹو طریقہ کار اختیار کرنے کی وجہ سے شرکاء کی دلچسپی آخر تک قائم رہی۔

ویب ٹی وی کے متعلق تعارفی پروگرام

حفیظ بزدار

یہ ایک ایسا پروگرام ہے جس کے ذریعے ایچ آر سی پی معاشرے کے وہ پہلو دکھائے گا جو انسانی حقوق سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ان پہلوں پر نہ صرف ریاست کچھ نہیں کر رہی ہے بلکہ ہمارا مرکزی میڈیا بھی ان مسائل کو اجاگر نہیں کر رہا۔ مثال کے طور پر اگر کسی قصبہ، شہر یا علاقے کے ہسپتال، صاف پانی، سیوریج، بچوں پر تشدد، عورتوں کے حقوق کا تحفظ وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہے تو ہماری سول سوسائٹی کے ارکان یا آپ جیسے ہم خیال لوگ ہمیں اس مسئلے کی ویڈیو کلپ اور اس سے متعلق تمام معلومات ای میل کر سکتے ہیں یا ہمارے مرکزی دفتر کے ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں یا پھر ہمیں وٹس اپ کر سکتے ہیں۔ آپ کے علاقے کا وہ مسئلہ ہم اپنی ویب ٹی وی کی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کریں گے اور متعلقہ دفتر یا محکمے کو رپورٹ بھی کریں گے۔ اور شرکاء کو اس طرح کی نمونے کے طور پر ویڈیو کلپس دکھائی بھی گئیں۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور فنون لطیفہ کا کردار

فضیل اشرف قیصرانی

انسانی حقوق کی بات کرتے ہوئے ہمیں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ انسانی حقوق کے منشور کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو ہمارے مخالفین اور ہمارے دشمن ہیں۔ عالمی منشور کی تیسری شق ہر شخص کو زندہ رہنے، آزاد رہنے اور ذاتی تحفظ کا پیدائشی حق دیتی ہے۔ ان تمام شقوں کی موجودگی میں ان پر یقین رکھتے ہوئے ہمیں اپنے دشمنوں سے کہنا چاہیے آج آپ بہت سے بے گناہوں کو ذبح کر رہے ہیں، انکے سکول، ہسپتال اور قبرستان بموں سے اڑا رہے ہیں، لیکن جب آپ کل گرفتار ہونگے، اپنے مخالفین کے قبضہ قدرت میں ہوں گے تو ہم آپ کے انسانی حقوق کے لیے بھی آواز بلند کریں گے کیونکہ ہم آپ کی طرح اپنے مخالف کو غیر انسان نہیں سمجھتے۔

اکیسویں صدی کا آغاز ہوا تو اپنے ضمیر کے مطابق لکھنے اور انسانی حقوق کو اپنی تحریروں کا پیمانہ بنانے والے ادیبوں کو چین، ایران، پیرو اور بعض دوسرے ملکوں میں سرکاری عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں طویل مدت کے لیے قید کیا گیا۔ چین اور ایرن کے معاملات آج بھی کچھ خاص بہتر نہیں ہوئے۔ گزشتہ 10 برسوں کے دوران 150 ادیب اور صحافی گرفتار ہوئے، 50 سے زیادہ قتل ہوئے۔ درجنوں لاپتہ ہوئے اور انکا کوئی کھوج نہ مل سکا۔ یہ اپنے ضمیر کے مطابق انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر آواز اٹھانے کی قیمت ہے جو ادیب اور صحافی ادا کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کسی بھی سماج میں ادیبوں کا کیا کردار ہے۔ ان کا یہ روّیہ صرف انہی ملکوں میں نہیں ہوتا جہاں آمرانہ حکومتیں ہوتی ہیں، جمہوری حکومتیں غاصبانہ قوت بن کر کسی دوسرے ملک پر حملہ آور ہوتی ہیں تب بھی ادیبوں کی ذمہ داریاں یہی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی حکومتوں کے خلاف احتجاج کریں اور انسانی حقوق کی پامالی کے راستے میں چٹان کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ اس کی ایک بڑی مثال 2004 میں امریکی شاعروں اور ادیبوں نے پیش کی۔ یہ وہ وقت تھا جب امریکی فوجیں عراق پر قبضہ کر رہی تھی اور نہتے شہریوں پر بمباری ہو رہی تھی۔

ہم نے 1979ء میں بھٹو کی پھانسی کے صرف چند دن بعد جنرل ضیاء الحق کی اس ضیافت کے مناظر دیکھے جس میں ملک بھر کے بیشتر ادیب، شاعر، اور نقاد مدعو کیے گئے

تھے اور گنتی کے چند ادیبوں کو چھوڑ کر بیشتر سر کے بل اس تقریب میں گئے تھے، تقریب شاہی کے نشے میں سرشار تھے اور سولی کے سائے میں بچھنے والے دسترخوان سے فیض یاب ہوئے تھے۔

اسکے برعکس ہم نے دیکھا کہ عراق پر غاصبانہ امریکی قبضے کے دنوں میں امریکی خاتون اول مسز لارا بش نے وائٹ ہاؤس میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا اور اسکے دعوت نامے جاری کیے۔ اس دعوت نے امریکی ادیبوں اور شاعروں کو برافروختہ کردیا۔ ہزاروں میل عراقیوں کے ہر انسانی حق کو چھینا جارہا تھا اور امریکی شاعروں اور ادیبوں سے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ وہ اپنی خاتون اول کی دعوت پر شادان و فرحاں وائٹ ہاؤس جائیں گے اور اپنے قلم کی آزادی وائٹ ہاؤس کے طعام خانے میں گروی رکھ دیں گے۔ اس روّیے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اہم امریکی دانشوروں اور ادیبوں نے ای میل کے ذریعے ایک دوسرے کو یہ پیغام دیا کہ اس روز کوئی وائٹ ہاؤس کا رخ نہیں کرے گا اور اس روز جنگ کے خلاف شاعروں کو اور اس ادبی تحریک کو دوبارہ منظّم کیا جائے جو ویت نام کی جنگ کے خلاف وجود میں آئی تھی۔ یہ سائبر اسپیس میں انسانی حقوق کی پہلی جنگ تھی جو امریکی ادیبوں نے شاندار طور پر لڑی اور ہزاروں جنگ مخالف امریکی نظمیں دینا کے تمام اعظموں تک پہنچیں۔ سائبر اسپیس کا یہی وہ استعمال ہے جو ہم نے عرب بہار کے دوران بھی دیکھا اور اسی لیے کہا جاتا ہے اسکا آزادانہ استعمال بھی انسانی حقوق میں سے ایک ہے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ برصغیر میں جب فرقہ واریت کی کالی آندھی چلی تو ہمارے کچھ ادیبوں نے مایوسی کے عالم میں یہ اعلان کیا کہ انسان مرگیا ہے۔ لیکن عین اسی وقت اردو، ہندی، بنگلہ، پنجابی، سندھی اور برصغیر کی دوسرے زبانوں کے ادیبوں نے اپنا قلم فرقہ واریت، مذہبی جنون اور قتل عام کے خلاف استعمال کیا۔ ان کی تحریکوں میں اس انسان کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں جو نفرتوں اور عداوتوں سے ماورا ہے۔ جنگ فسادات اور تنازعات کے زمانے میں ادیب حب وطن یا مذہبی وابستگی کا نعرہ مارتے ہوئے کسی ایک فریق کے نہیں، انسان کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور یہی انسانی حقوق کی تحریک کی بنیاد ہے جس سے آگے کیطرف سفر کیا جاتا ہے۔

دنیا کے متعدد ادیبوں اور دانشوروں نے نفرتوں اور عصبیتوں کی آگ ٹھنڈی کرنے کا فرض انجام دیا ہے اور انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے سینہ سپر ہوئے۔ اس کی اک شاندار مثال 2008 میں اس وقت سامنے آئی جب انسانی حقوق کے عالمی منشور کی 60 ویں سالگرہ منائی جارہی تھی۔ اس موقع پر دنیا کے 30 اہم اور نام گرامی ادیبوں نے اس عالمی منشور کی 30 شقوں کے حوالے سے 30 کہانیاں لکھیں جن کا مجموعہ "فریڈم" کے نام سے شائع ہوا۔ کہانیوں کے اس مجموعے کا پیش لفظ ڈیسمنڈ ٹوٹو نے لکھا اور اس کتاب کی ساری آمدنی ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نام ہوئی۔

انسانی حقوق کی بات کرتے ہوئے ہمیں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ انسانی حقوق کے منشور کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو ہمارے مخالفین اور ہمارے دشمن ہیں۔

انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

حفیظ بزدار

انتہا پسندی ان بنیادی مسائل میں سے ایک ہے جو پاکستانی ریاست اور معاشرے کو درپیش ہیں۔ اس کی جڑیں شاید پاکستان کے قیام سے بھی پہلے جا نکلتی ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں یہ مسئلہ افقی اور عمودی دونوں اطراف میں پھیلتا رہا ہے۔ ایک طرف بہت سے عوامل اور کردار اس میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں تو دوسری طرف بہت سے بے گناہ افراد اور گروہ بھی اس کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ پاکستانی میڈیا حال ہی میں جس نے ایک نئی طاقت اور اہمیت حاصل کی ہے وہ بھی ابتدائی ایام سے لے کر آج تک اس سارے عمل میں ایک عامل کے طور پر موجود رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ شدت پسند گروہوں کا نشانہ بھی بنتا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستانی میڈیا نے کس حد تک انتہا پسندی کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان میں ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کے مظہر کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ 1950ء میں حکومت پنجاب نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹوریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ معاملہ ایک انکوائری کمیٹی کے روبرو پیش ہوا اور نوائے وقت کے حمید نظامی نے اس کی توثیق کی۔ ذرائع ابلاغ کو باقی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرتی عوامل اس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

مبشر بخاری لکھتے ہیں کہ ضیاء الحق کے دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہونے کی با قاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ جماعت اسلامی چونکہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھی اور ضیاء نے جماعت اسلامی کو افغان جنگ میں بھی استعمال کیا تھا، اس کے بہت سے لوگ ذرائع ابلاغ میں شامل ہو گئے۔ جنہوں نے پنجاب یونین آف جرنلسٹس کی بنیاد رکھی وہ تمام ایک مذہبی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ عسکریت پسند تھے اور اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر لوگوں کی جانیں لے رہے تھے۔ اس گروپ کے لوگوں نے اپنے اپنے لوگ شامل کیئے اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کو خریدا اور اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اس قسم کے لوگ اگرچہ اخبارات کی پالیسی کو براہ راست متاثر نہیں کرتے تاہم اگر اک شخص نیوز روم میں یا رپورٹنگ روم میں ایک خاص سوچ لیکر بیٹھا ہوا ہے تو اسکے پاس موقع ہوتا ہے وہ کسی بھی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یا کوئی خبر اس طرح دے کہ اسکی اہمیت کم ہو جائے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے معاملے پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ اسی طرح جن تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف ان کے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔ اگر کہیں پٹاخہ بھی پھٹتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنی گئی ہے اور پولیس جگہ کا تعین کر رہی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کو بہت زیادہ کوریج ملتی ہے۔ بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو اس قسم کی کارروائیوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن وہ باجوڑ یا کسی ایسی جگہ بیٹھ کر ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ میں گیٹ کیپنگ کی روایت معدوم ہے حالانکہ جو شخص میڈیا سے منسلک ہے اسے ایک گیٹ کیپر کے طور پر کام کرنا چاہیے۔ نیوز رپورٹر یا ایڈیٹر کو خبر کی اشاعت کے حوالے سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خبر فائدے کی نسبت زیادہ نقصان کرے گی تو وہ اسے روک لے۔

ہمارا الیکٹرانک میڈیا حال ہی میں سامنے آیا ہے اور لوگ اس کے لیے مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں جب کوئی چیز تحریر ہوتی ہے تو تحریر کرنے والے کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ وہ اس کو دوبارہ دیکھ سکے اور پھر وہ تحریر مدیر کی نظر سے بھی گزرتی ہے۔ لیکن الیکٹرانک میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ الیکٹرانک میڈیا کے رپورٹروں کے پاس ضرورت سے زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔

یہ ان عوامل میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے ہمارے ٹی وی چینل شدت پسندی سے متعلق واقعات کو اکثر غیر موزوں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے پاس کوئی ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا مقابلتاً نوخیز ہے۔

ام احسان جو لال مسجد کے خطیب عبدالعزیز کی اہلیہ ہیں کا ایک کارٹون ایک اخبار میں چھپا تو اس اخبار کو کھلے عام دھمکی دی گئی کہ وہ اسکے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہے۔ نماز جمعہ کے بعد لال مسجد میں اس اخبار کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ انہوں نے اخبار کے خلاف الزام عائد کیا کہ اس کی پالیسی جہاد کے خلاف ہے اور اسے سبق سکھایا جائے۔ اگر شدت پسندوں کے خلاف کوئی خبر شائع ہوتی ہے تو ذرائع ابلاغ پر الزام عائد کیا جاتا ہے وہ خلاف اسلام باتیں چھاپ رہا ہے۔ 1981 میں ایک بڑے اخبار نے ایک طلبہ تنظیم کی خبر چھاپی۔ طلبہ دو بسوں میں سوار ہو کر آئے اور اخبار کے دفتر کو آگ لگا دی۔ اسکے بعد آج تک اس اخبار نے اس طلبہ تنظیم کے خلاف کوئی خبر نہیں چھاپی۔

میڈیا دراصل مارکیٹ فورسز کے تحت چل رہا ہے۔ پہلے جب میڈیا حکومت کی تحویل میں تھا تو مارکیٹ اسکے اثر سے آزاد تھا۔ اب مارکیٹ کیا چاہتی ہے وہ معاشرے کا عمومی طرز عمل ہے۔ میڈیا بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اگر معاشرہ انتہا پسند نظریات سے لیس ہے، یعنی اگر ریاست کی عمل داری کم ہو چکی ہے اور انتہا پسند حلقوں کا رسوخ معاشرے پر زیادہ ہے تو میڈیا میں بھی وہی چیز آپ کو نظر آئے گی۔

میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اس لئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی ہے خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے اسے تجربہ نہیں ہے، رہنمائی بھی نہیں ہے اور جو ہے وہ بڑی عوامی قسم کی ہے کہ چینل بڑا مقبول ہو جائے گا۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ میڈیا اس امر کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہمارے زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل

ڈاکٹر عابد علی

آج ہم سابقہ تمام معیارات جو کہ انسانی حقوق اور شدت پسندی کے بارے میں کسی اور نے طے کئے ہیں کہ ان سے انکار کرتے ہوئے اپنے معیارات پر فیصلہ کریں کہ انتہا پسندی کیا ہے اس سے ہم کیسے متاثر ہو رہے ہیں؟ یہ ہوسکتا کہ ہمارے نتائج بھی وہی ہوں جو پہلے سے طے ہیں اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ انتہا پسندی کی کئی اقسام ہیں جن میں معاشی انتہا پسندی، سماجی انتہا پسندی، سیاسی انتہا پسندی، اور مذہبی انتہا پسندی شامل ہیں۔ معاشی انتہا پسندی میں کوئی مخصوص گروہ، طبقہ، قوم یا قبیلہ مارکیٹ یا کسی مخصوص علاقے میں جاری معاشی سرگرمیوں میں دیگر اقوام، قبائل یا طبقوں کی شراکت کو پسند نہیں کرتے تشدد اور دیگر ذرائع سے ان اقوام یا گروہ یا قبائل کو معاشی سرگرمیوں سے بے دخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سماجی انتہا پسندی میں ماں باپ بچے، بچیوں کی شادی اور تعلیم کے فیصلے انکی مرضی اور خواہشات کے خلاف کرتے ہیں اور سماج میں کم آمدنی والے لوگوں کو کم تر سمجھنے والے سماجی انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ سیاسی انتہا پسندی میں اپنے سیاسی مفادات اور فکر و نظریات کے دوسرے نظریہ رکھنے والوں سے برتر سمجھا جاتا ہے، جیسے لبرل، ترقی پسند، کمیونسٹ اور بائیں بازو، مذہبی قوم پرست اور دائیں بازو کا سوچ رکھنے والوں کے لئے رکھتے ہیں۔ ان میں ہر کوئی دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مذہبی انتہا پسندی میں ایک عقیدے سے تعلق رکھنے والے لوگ یا گروہ اپنے مذہبی عقیدے کو دوسروں سے اعلیٰ اور معتبر سمجھتے ہیں۔ چارلس ایس لیبن نے اپنی کتاب میں مذہبی انتہا پسندی کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ مذہبی قانون یا شریعت کا پھیلاؤ جس میں ایک مسلک یا عقیدے پر ایمان رکھنے والے دیگر لوگوں کی فلاح اور آخرت کی بہتر زندگی کے نام پر اپنے عقائد، خیالات اور نظریات دوسرے لوگوں تک پھیلانا چاہتے ہیں۔ دوسری قسم سماجی علیحدگی ہے جس میں ایک مذہب، مسلک یا فرقہ کے ماننے والے خود کو سماج کی دیگر اقوام، افراد یا گروہ برتر سمجھ کر علیحدہ رہتے ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی نے ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے آئین میں تمام اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں جبکہ دوسری طرف وہی آئین کہتا کہ کوئی غیر مسلم صدر پاکستان نہیں بن سکتا یہ ایک بڑا تضاد ہے اپنے شہروں میں میزائیل کے ماڈل لگا کر ہم نے کیا پیغام دیا ہے کہ ہم لڑنے کو پسند کرتے ہیں۔

ایک شریک کار آصف نے سوال کیا کہ بلوچستان میں کیا ہو رہا ہے؟ ڈاکٹر عابد علی نے کہا کہ جہاں ریاست کے جبر کا رد عمل سامنے آئے وہاں ریاست شدت پسندی کی ذمہ دار ہے۔ تاہم کچھ عناصر لسانیت کی بنیاد پر شدت پسندی کو ہوا دے رہے ہم اس کی مذمت کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کے کارکن کی حیثیت سے ہمیں پاکستان کو خوشحال بنانے کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی جس پر تمام شرکاء نے متفقہ طور پر عزم کا اظہار کیا۔

دستاویزی فلم

کھانے کے وقفے کے بعد شرکا کو دستاویزی فلم "ضمیر کی عینک" دکھائی گئی، جسکا مقصد پاکستانی معاشرے میں دوہرے معیار کی تصویر کشی تھی۔ اس میں یہ دکھایا گیا کہ ہم پاکستانی عوام بہت آسانی کے ساتھ اپنے کیے کا جرم غیر ملکی لوگوں یا ایجنڈوں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو شرکا نے خوب سراہا

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

قذافی بھٹی

اس سیشن کا مقصد ایک بہتر پاکستانی کی تعمیر کرنا جو ایک بہتر قوم اور بہتر انسان پیدا کر کے ممکن ہے جو نہ صرف اپنے حقوق سے آگاہ ہو بلکہ دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض بھی پورے کرتا ہو۔ HRCP کا مقصد بھی دراصل ایک بہتر اور اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ معاشرے کا قیام ہے اور یہ مقصد انشاء اللہ بہت جلد پورا ہونے جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان نیک نیتی سے کوشش کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جیسے چند لوگوں نے کوشش ایمانداری سے کی اور ایک بدنامِ زمانہ ٹریفک پولیس ایک نیک نام موٹروے پولیس کے روپ میں ڈھل گئی۔ بہتر پاکستان اور معاشرہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بہتر انسان پیدا کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہتر انسان کون ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی طرزِ فکر اور سوچ کے لحاظ سے کئی اقسام ہیں اور بہتر انسانی وہ ہیہ جو دوسری مخلوقات سے اعلیٰ سوچ رکھے۔

طرز فکر کی اقسام

سوچ کے لحاظ سے انسان کی تین قسمتیں ہوتی ہیں خود غرض، غیر جانبدار اور قربانی دینے والا۔ اگر ہم دوسری مخلوقات کی سوچ سے مواز نہ کروائیں تو خود غرض انسان اشرف المخلوقات نہیں ہوسکتا اور غیر جانبدار انسان جیسا کام بھی بہت سی مخلوقات کر رہی ہیں جیسا کہ مرغابیاں بھی عام انسان سے بہتر کام کر رہی ہیں۔ مثلاً لائن بنانا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، دوسرے کے لیے اپنا سفر چھوڑنا جبکہ قربانی دنیا والا انسان ایسا ہے جس کا مقابلہ باقی کوئی مخلوق نہیں کر سکتی اس لیے وہی صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلوانے کا حقدار ہے اور یہی بہتر انسان ہے۔ صرف انسان ایسی مخلوق ہے جو مثبت کو منفی اور منفی سوچ کو مثبت میں بدل سکتی ہے۔ اگر مثبت سوچ نہ آئے تو مثبت عمل سے سوچ مثبت ہو جاتی ہے۔ یہ تمام

باتیں مثبت سوچ کے بارے میں جو آج ہم کر رہے ہیں یہ بہت پہلے سکول کی سطح پر ہو جانی چاہیے تھیں۔ مختلف کہانیوں کی صورت میں یہ بچوں کو ذہن نشیں ہو جانی چاہیے تھی۔ اور ٹیم ورک کی صورت میں پڑھایا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح انسانی حقوق اگر ہمارے نصاب کا حصہ ہوتے تو آج نہ پولیس اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر سکتی نہ ہمیں بلاوجہ بغیر وارنٹ گرفتار کر لیا جاتا نہ 24 گھنٹے سے زیادہ حراست میں رکھا جاتا اسی طرح کتنی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جو آج ہم برداشت کر رہے ہیں۔ پھر اسی طرح جو آئین ہمیں انسانی حقوق فراہم کرتا ہے وہ کم از کم میٹرک لیول تک ہمارے کسی مضمون کا حصہ ہونے چاہیں تا کہ تمام نئی نسل کو زبانی یاد ہو جائیں۔ انسانی حقوق اگر نصاب کا حصہ بن جائیں تو ہر کوئی آسانی سے آگاہ ہو سکتا ہے اپنے حقوق سے اور فرائض سے آگاہی پانے سے جمہوری اقدار بھی فروغ پائیں۔

ہم سب لوگ کم از کم اپنی حدود میں رہ کر معاشرے کی بہتری کے لیے اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (HRCP) ایک اُمید کی کرن ہے جس کے پلیٹ فارم سے ہم اپنی آواز ارباب اختیار تک پہنچا سکتے ہیں اور HRCP کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے ہم ان کے دست و بازو بن کر نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہم یہ علم آگے تک منتقل کر سکتے ہیں جس سے عوام میں بیداری پیدا ہو گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جب سب لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے تو خود بخود جمہوری اقدار معاشرے کا حصہ بنیں گی۔

پنجاب میں کمسن بچوں کے نظام انصاف پر عمل درآمد کی صورتحال

منصور معین

بچے ہمارے معاشرے کا بہت اہم حصہ ہیں اس لیے خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ بچے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھ سکیں یا اپنا دفاع کر سکیں۔ اس وجہ سے وہ مختلف زیادتیوں اور نا انصافیوں کا شکار بنتے ہیں۔ بعض اوقات بچوں کو مختلف جرائم میں پھنسا دیا جاتا ہے، یا وہ اپنے ارد گرد کے ماحول، بری صحبت اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے چھوٹے بڑے جرائم کر گزرتے ہیں۔ البتہ ایسے بچے جو سنگین نوعیت کے جرائم میں ملوث ہوں ان کے لیے غیر معمولی بنیادوں پر اور خاص طریقہ کار کے مطابق کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح کے بچوں کی اصلاح اور ان کی معاشرے میں اس طرح سے شمولیت کہ وہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکیں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس بارے میں ہمارے ملک کچھ تو قوانین کتابوں میں ضرور موجود ہیں لیکن ان پر باقاعدگی سے عمل نہیں کیا جاتا۔ ماضی میں جرائم میں ملوث کمسن بچوں کے لیے قانونی کارروائیاں انہی قوانین کے مطابق کی جاتی تھیں جو قوانین بڑوں کے لیے تھے۔ اس وجہ سے فوجداری قوانین میں بچوں کے لیے الگ نظام قانون کی ضرورت رہی ہے اور اس طرح کے قوانین کا مقصد صرف سزا دینا نہیں بلکہ اخلاقی، تعلیمی اور فنی تربیت دینا ہے تا کہ ایسے بچوں کی اصلاح ہو سکے۔ اسلامی قوانین میں بھی بچوں سے

بچے ہمارے معاشرے کا بہت اہم حصہ ہیں اس لیے خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ بچے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھ سکیں یا اپنا دفاع کر سکیں۔ اس وجہ سے وہ مختلف زیادتیوں اور نا انصافیوں کا شکار بنتے ہیں۔

متعلق سزاؤں کا طریقہ کار مختلف ہے، اور انہیں حد اور قصاص جیسی سزاؤں سے استثناء حاصل ہے۔

پاکستان میں 2000ء سے بچوں سے متعلق "جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2000ء" لاگو ہے۔ البتہ اس سے قبل صوبہ پنجاب میں پنجاب یوتھ فل اوفنڈرز ایکٹ 1952 موجود تھا جس کو منسوخ کر کے پنجاب یوتھ فل آرڈیننس 1983 بنایا گیا۔ مگر اس آرڈیننس میں صرف دو دفعات کو فعال رکھا گیا اور بقیہ دفعات کے بارے میں یہ کہا گیا کہ حکومت جب چاہے گی بذریعہ نوٹیفکیشن یا آفیشل گزٹ ان کو نافذ کیا جائے گا۔ اس آرڈیننس کی دفعہ 2 شق (a) میں بچے کی تعریف یہ کی گئی کہ جس کی عمر 15 سال پوری نہ ہوئی ہو۔ جبکہ جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2000ء میں بچے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جسکی عمر ارتقاب جرم کے وقت 18 سال سے کم ہو۔

پنجاب یوتھ فل آرڈیننس 1983 کے مطابق صوبہ پنجاب میں نگہداشت ایسوسی ایشن رضا کارانہ قیام گاہیں بنانے کا ذکر تھا مگر اس قانون پر بھی کوئی خاطر خواہ عمل نہ ہوا۔ بعد ازاں یہ قانون منسوخ کر کے محروم و نظر انداز شدہ بچوں کا پنجاب ایکٹ 2004 متعارف کرایا گیا۔ اگرچہ یہ قانون بچوں کے جرائم سے متعلق نہیں ہے مگر اس قانون میں بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے چند دفعات کو شامل کیا گیا۔

بچوں کے جرائم کے حوالے سے اس وقت ملک میں بشمول صوبہ پنجاب "جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس" 2000 نافذ ہے۔ مگر اس کی عملی شکل قانون کے مطابق نظر نہیں آتی۔ اس قانون میں بچوں سے متعلق جو خاص شقیں درج کی گئی ہیں وہ اسطرح سے ہیں۔

- علاقائی سطح پر ایک یا ایک سے زائد بچوں کی فوجداری عدالتوں کا قیام۔ ہائی کورٹ، ماتحت عدالتوں یا درجہ اول کے جوڈیشل مجسٹریٹ کو جوینائیل کورٹ کے طور پر کام کرنے کا اختیار دے۔ ایسے بچے جو کسی جرم یا فوجداری مقدمے میں ملوث پائے جائیں انہیں ریاست کی طرف سے قانونی مدد فراہم کی جائے۔ ایسے بچوں کے مقدمات کی سماعت صرف جوینائیل کورٹس کریں گی اور بچوں سے متعلق فوجداری مقدمات چار ماہ کے اندر نمٹائے جائیں گے۔

پولیس اگر کسی بچے کو کسی جرم میں گرفتار کرے گی تو فوری طور پر گرفتاری کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دے گی اور انہیں جرم، وقت اور تاریخ کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا اور یہ بھی کہ بچے کو کونسی جوینائیل کورٹ میں پیش کیا جانا ہے۔

قابل ضمانت جرم میں بچوں کو معقول ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔

ایسا بچہ جس کی عمر 15 سال سے کم ہو اور اس سے ناقابل ضمانت جرم سرزد ہو جائے تو عدالت ایسے جرم کو قابل ضمانت تصور کر کے بچے کی ضمانت منظور کر لے گی۔ البتہ ایسا بچہ جسکی عمر 15 سال سے زائد ہو اور 18 سال سے کم ہو اور اس سے کوئی سنگین جرم سرزد ہو تو پھر ضمانت عدالت کی صوابدید پر منظور ہو گی۔ کسی بچے کو ہتھکڑی یا بیڑیاں نہیں لگائی جائیں گی۔ دوران قید کسی بچے سے مشقت نہیں کرائی جائے گی اور نہ ہی اسے کوئی جسمانی سزا دی جائے گی۔ پروبیشن آفیسر بچے کے کردار سے متعلق رپورٹ بنا کر متعلقہ جوینائیل کورٹ کو فراہم کرے گا۔ بچے سے متعلق کوئی شناخت یا جوینائیل عدالت کی کارروائی سے متعلق کوئی بات کسی اخبار یا جریدے وغیرہ میں نہیں چھاپی جائے گی۔

بچے کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔

بچے کی عمر کے متعلق کوئی سوال یا اعتراض ہو تو اسکا تعین عدالت بذریعہ انکوائری یا میڈیکل رپورٹ کرے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ قوانین پر عمل ان کی حقیقی روح کے مطابق کیا جائے۔

شرکاء کو دستاویزی فلم "ہم انسان" دکھائی گئی۔ جسکا مقصد انسانیت پر یقین رکھنا اور تمام مذاہب میں انسانیت کی سر بلندی دکھانا تھا۔ اس کو شرکا کی طرف سے بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ اس طرح دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا اختتام ہوا۔ اختتام پر شرکاء کا ایک بار پھر استعدادی جائزہ لیا گیا اور عون محمد نے فالو اپ میکنزم سمجھایا۔ بعد ازاں تقسیم اسناد کی تقریب منعقد ہوئی اور شرکاء نے ایک دوسرے کو اسناد دیں۔

دہشت گردی کی اساس

آئی۔اے۔رحمٰن

سانحہ کوئٹہ کے بعد کی اضطرابی کیفیت اور بے چینی ایک ایسے انجام کی طرف جارہی ہے جس کے بارے میں پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے حفاظت کی ضمانت مہیا کرنے والے اداروں پر انگلیاں اٹھائیں، انہیں سبق سکھا دیا گیا ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف نے حکومت کو موردالزام ٹھہرایا ہے اور نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کی نگرانی ایک نئے تشکیل کردہ ادارے کے سپرد کردی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنا کافی ہے؟ جن لوگوں نے حفاظت مہیا کرنے والے اداروں پر ممکنہ لغزشوں کا ذکر کیا، ان کو مخالف یا دشمن سمجھ لینا یقیناً زیادتی ہے۔ خود تنقیدی ایک مثبت عمل ہے اور دوست بھی ایسی غلطیوں کو سامنے لاسکتے ہیں جن کو ٹھیک کرنے سے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں، بہرحال اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ ابتدائی طور پر یہ اچھا نہ لگے لیکن جب کوئی خرابی پیدا ہو تو پہلا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو پوچھا جائے جو ایسے واقعات کی روک تھام کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

محمود خان اچکزئی عوام کی تشویش کا اظہار کرنے والے واحد شخص نہیں تھے۔ مثال کے طور پر آپ پاکستان بار کونسل کی قرارداد کو دیکھیں جس میں ہماری وفاقی اور صوبائی حکومتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی نااہلی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کوئٹہ کے اس المناک واقعہ سے توجہ ہٹانے اور اس کو بااثر بنا کر پیش کرنے کے لیے ایک دوسرے پر الزام تراشی کا کھیل شروع کردیا گیا ہے۔ بہرحال امید کی جاسکتی ہے کہ پارلیمنٹ اپنے ارکان کے استحقاق کا دفاع کرے گی۔ حفاظتی خدمات مہیا کرنے والے ادارے خود تنقیدی اور خود احتسابی کے عمل سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اپنی معصومیت کے مفروضے کو صحیح ثابت کرنے کے عمل سے نہ صرف یہ کہ ان کو بلکہ ریاست کو بھی خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حیران کن طور پر ایف سی کے بارے میں بہت کم کہا گیا ہے حالانکہ بلوچستان میں اس کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایف سی کے پاس جو اختیارات ہیں وہ صوبائی حکومت کے پاس بھی نہیں ہیں۔ کوئٹہ سے باہر کارروائیاں کرنے کی طالبان کی اہلیت یا عسکری تنظیموں کے جمگھٹوں کے بارے میں وضاحت انہیں کرنی چاہئے۔ یہ وضاحت بھی سامنے آنی چاہئے کہ ان تنظیموں کو صوبائی دارالحکومت میں آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت کس نے دے رکھی ہے اور کیوں؟ مرحوم افغان طالبان کے سربراہ مرحوم اختر منصور پاکستانی پاسپورٹ پر کیسے پاکستان آتا جاتا رہا اور یہاں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کی تحقیقات ایک جونیئر ملازم کی گرفتاری کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوجانی چاہئے تھی جس نے اختر منصور کا شناختی کارڈ بنانے میں سہولت کار کا کردار ادا کیا تھا۔ فوج کی اعلیٰ کمان کی طرف سے کی جانے والی سرزنش کے باعث وزیراعظم نے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر جنرل ناصر جنجوعہ کی زیر کمان اعلیٰ اختیارات کی ایک کمیٹی تشکیل دینے کے علاوہ پیراملٹری فورسز میں 20 نئے ونگ قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ کمیٹی اس اعتماد پر پورا اترے گی جو اس پر کیا گیا ہے۔ تاہم دو نکات ایسے ہیں جن کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ سارا زور نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد پر ہے۔ بہرحال اس سکیم پر نظرثانی کی ضرورت ہے لیکن ایسا کیا نہیں گیا۔ پشاور کے فوجی سکول پر ہونے والے ہولناک حملے اور اس پر کسی حد تک عجلتی ردعمل کے پیش نظر یہ منصوبہ تیار کیا گیا تھا لیکن 20 نکاتی ایجنڈا چاہے وہ کتنا ہی مقدس ومتبرک کیوں نہ ہو، اس کو اختیار کرنا مناسب نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ این اے پی کے کچھ نکات کو، جیسے کہ مدرسوں کو مسلمہ انداز میں باقاعدہ بنانا، واضح کیا جائے یا ان کی دوبارہ تعبیر کی جائے اور یہ تعبیر نو بڑی واضح ہونی چاہئے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ نئے نکات شامل کرنے کی ضرورت پڑے۔

> دہشت گرد گروہوں کو دوبارہ منظّم ہونے اور نئی بھرتی سے روکنے میں بہت کم کامیابی حاصل ہوئی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ انسداد دہشت گردی حکمت عملی کا تاحال مقصد دہشت گردوں کو جسمانی طور پر ختم کرنا ہے اور خاص طور پر ان کی عسکری قیادت کی تباہی ان کا مطمئع نظر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سوچ بڑی حد تک کامیاب رہی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دہشت گرد گروپوں کو دوبارہ منظّم ہونے سے روکنے میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ اس کے علاوہ ان گروپوں میں ''نئے رضا کاروں'' کی شمولیت میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ وہ اہم مسئلہ ہے جس کے بارے میں کوئٹہ کے حوالے سے ہونے والی بحث کے دوران بہت کم پسند کیا گیا ہے۔

دہشت گردوں کے حق میں موجود عوامل میں سے ایک حکومتی ناکامی یہ ہے کہ وہ عوام میں دہشت گردی سے نجات حاصل کرنے کے احساس کو ابھارنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ بہرحال اس عوامی کیفیت کے حوالے سے یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ عوام دہشت گردی کو رومانوی رنگ دیتے ہیں۔ اس کو رومانوی انداز میں دیکھتے ہیں۔ این اے پی کا یہ مطالبہ ضرور ہے کہ دہشت گردی اور دہشت گرد تنظیموں کو عظمت اور تقدس دینے پر پابندی عائد کی جائے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں گیا۔ حکومت کو یہ قیاس کرنے کے لئے گمراہ کیا گیا کہ میڈیا اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہی خطا کار ہیں اس لئے کہ یہی لوگ دہشت گردی کی سماجی سطح پر مدح سرائی کے مرتکب ہوتے ہیں اور صورتحال پر تبھی قابو پایا جاسکتا ہے جب سائبر کرائمز پر قابو پانے کے لیے انتہائی سخت اور سفاکانہ قوانین پر عملدرآمد کرایا جائے گا۔ حکومت کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کہ مذہبی۔ سیاسی جماعتیں اور کچھ دوسرے گروہ دہشت گردی کی مدح سرائی کرتے ہیں، دہشت گردی کی فضیلت کے گیت گاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس نقصان کو محسوس نہیں کیا جو 15 سال سے مذہب کے نام پر جاری دہشت گردی کے باعث نہ صرف پاکستان کو ہوا ہے بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ خود اسلام کو پہنچا ہے۔

دہشت گردی کے حوالے سے ہونے والے حالیہ بحث مباحثے میں دہشت گردی کو شکست دینے کی ضرورت پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ عسکری انتہا پسندوں کے مذہبی نعروں کو رد کرنے میں حکومت ساز باز کے لئے نہ سہی مگر اپنی نااہلی کے باعث اس جرم کی سزاوار ہے کہ اس نے خود کو ان کے مقابل لاکھڑا کیا ہے۔ عسکریت پسند آزادانہ طور پر گھوم پھر سکتے ہیں۔ انہیں عام لوگوں کے اندر سے ایسے میزبان اور دوست احباب مل جاتے ہیں جو مذہبی بنیادوں پر ان کی استدعا کو رد نہیں کرپاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں آپ ایسے نعروں کے سبب موردالزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ جن کی دستگیری پاکستان کی ریاست نظریے کے طور پر کرتی چلی آئی تھی۔ عسکریت پسندی کی بنیادی وجہ جہاد (مسلح) کے اساس فرض کی نسبتاً نئی توضیح ہے۔ جس کے مطابق کسی تسلیم شدہ ریاست کی طرف سے جہاد کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی جہاد سے اس لیے اغماض برتا جاسکتا ہے کہ اس کی کامیابی کے امکانات کم ہیں۔ اس جہاد کا سبب اس نکتہء نظر کی تبلیغ ہوسکتی ہے کہ ایک مسلح گروہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کہ وہ کون سے ایسے مسلمان ہیں جو اتنے اچھے نہیں کہ انہیں قتل نہیں کیا جاسکتا۔

اُن عسکریت پسندوں نے جو ریاست کو چیلنج کررہے ہیں، ایسی تحریریں لوگوں میں تقسیم کی ہیں جن میں پاکستان کے اداروں کی نہ صرف یہ کہ نفی کی گئی ہے بلکہ اپنے اس عزم کا اعلان بھی کیا ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف لڑیں گے۔ مزید برآں دہشت گردی کے خلاف رسمی قسم کے بیانات جاری کرنے کے لیے چند ایک ملاؤں کی خدمات حاصل کرنے کے سوا حکومت نے کچھ نہیں کیا۔ جبکہ دہشت گردوں کے دلائل کو رد کرنے کے عمل سے اجتناب ہی برتا ہے۔ یہ حکومت کی تباہ کن غلطی ہے۔ مزید برآں چند معمولی سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لیے حکومت نے مذہب کا نام جس طرح استعمال کیا ہے، اس نے پاکستان کو اسی طرح متاثر کیا ہے جس طرح دوسری مسلم ریاستوں نے مذہب کے غلط استعمال سے مذہبی استحصال کیا ہے۔ اور اب عسکریت پسند ویسا ہی مذہبی استحصال کررہے ہیں۔ بدقسمتی سے مذہبی سکالروں کی نااہلی نے صورتحال کو مزید گمبھیر بنا دیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اسلام کی نئی توضیح کی مزاحمت کی ہے۔ ان سکالروں کی سب سے بڑی دلیل ان کی دولت ہے۔ یہ صورتحال پاکستان کے لیے خوشگوار نہیں ہے۔ بہرحال یہ وقت ہے کہ ریاست اس حقیقت کو سمجھے کہ اسلام پر ہونے والے بحث مباحثہ میں فوقیت حاصل کئے بغیر دہشت گردی کے خلاف جنگ ممکن نہیں ہے۔ اسلام کے پیروکاروں کی نجی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے قانونی راستے اختیار کئے جانے چاہئیں۔ اور اس حقیقت کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ سیاست کو عقیدے کے ساتھ نتھی نہ کیا جائے۔ یہ سب کچھ کئے بغیر پاکستان کو دہشت گردی کے آسیب سے نجات نہیں دلائی جاسکتی۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

'شہادت' کا ریاستی سرٹیفکیٹ

اگر میں کہوں کہ میں اس وطن کے لیے مرنا نہیں بلکہ جینا چاہتا ہوں تو کیا اس طرح میں دوسروں سے کم حب الوطن کہلاؤں گا؟

دہشت گرد حملے اس قدر تسلسل کے ساتھ ہو رہے ہیں کہ اب تو ہماری قوم کے پاس آنسو بھی کم پڑ گئے ہیں۔

جب جرمن فضائیہ لندن پر بے رحمانہ بمباری کر رہی تھی، اس وقت ایک کینیڈین ماہرِ نفسیات، جے ٹی مک کرڈی نے بمباری سے لندن کے باسیوں کی ذہنی صحت پر پڑنے والے اثرات پر تحقیق کی۔

جن لوگوں نے ذاتی طور پر بمباری دیکھی اور اس سے بمشکل بچ پائے تھے، انہیں حسبِ توقع اس سے صدمہ پہنچا ہے۔ جبکہ دوسری جانب "ریموٹ مسز" (دور رہ کر محفوظ رہنے والے) تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے سائرن اور دھماکوں کی آوازیں تو سنی تھیں مگر ہر بار دور ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ اس سے ان لوگوں کے اندر نا قابلِ تسخیر ہونے کا ایک غلط احساس پیدا ہو گیا تھا۔

بجائے اس سوچ کے کہ ایسے ہولناک حادثات کسی کے بھی ساتھ حقیقی طور پر پیش آ سکتے ہیں، ان کے ذہنوں میں یہ تصور راسخ ہو گیا تھا کہ ایسے حادثات برطانیہ کے کچھ مخصوص بدقسمت حصوں کے لیے معمول کی بات تھی۔

> آرمی پبلک اسکول پر حملے میں ہلاک ہونے والے ایک طالب علم عزیر احمد کی والدہ فرح ناز کہتی ہیں کہ، ''لوگ کہتے ہیں کہ مجھے فخر کرنا چاہیے کیونکہ میرا بیٹا شہید ہے۔ کیا کوئی ماں یہ فخر محسوس کرنے کے لیے مجھ سے اپنے بیٹے کا سودا کرے گی؟''

ہم، پاکستان میں موجود دہشتگردی کے ''ریموٹ مسز'' ہیں۔ ہم شاید ان لوگوں کے دکھ اور درد کو سمجھ ہی نہیں پائیں گے جنھوں نے اپنے پیارے اچانک کھو دیے۔ اور ہم اپنی اس لاعلمی کا اظہار اپنے قومی فخر اور اپنے "ہم وطنوں کو کھو دینے کے باوجود بھی شکست تسلیم نہ کرنے" کے طور پر کرتے ہیں۔ ہم ان کی ماؤں یا ''وطن کی ماؤں'' کو ایسی آہنی عورتوں کے روپ میں پیش کرتے ہیں جو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کچھ مبہم قومی ایجنڈوں پر قربان ہونے کے لیے پالتی ہیں۔ وہ ہم جیسے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتیں جو اپنے بچوں کو پالتے پوستے ہیں تاکہ وہ دراز عمر جی سکیں۔ آرمی پبلک اسکول پر حملے میں ہلاک ہونے والے ایک طالب علم عزیر احمد کی والدہ فرح ناز کہتی ہیں کہ، ''لوگ کہتے ہیں کہ مجھے فخر کرنا چاہیے کیونکہ میرا بیٹا شہید ہے۔ کیا کوئی ماں یہ فخر محسوس کرنے کے لیے مجھ سے اپنے بیٹے کا سودا کرے گی؟'' یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر ہم قوم کے غم کو سلیوٹ اور عظیم الشان خطابات سے دلاسا نہیں دیں، تو اس سے اپنے مقررہ محافظوں کی اہلیت کے بارے میں شک پیدا ہو سکتا ہے، جن سے ہم نے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ بیواؤں اور یتیموں کو اپنے پیاروں کی بے معنی موت میں ایک معنی مل جاتا ہے اور وہ اس بات پر یقین کر لیتے ہیں کہ ان کے پیاروں کی جان کسی بڑے مقصد کے لیے قربان ہوئی ہے۔ اور ہم اس خیال کی حوصلہ افزائی میں خوش ہیں کیونکہ دوسرا راستہ شدید غم و غصے اور احتجاج کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کا نتیجہ ریاست کی جانب سے پھیلایا گیا شہادت کا کلچر ہے؛ جو عوام کے لیے افیم کا ایک نیا برانڈ ہے۔ یہ ایک ایسا کلچر ہے جس میں زخم پر فخر کیا جاتا ہے اور ان سیاسی پالیسیوں کے بارے میں کم ہی سوالات پوچھے جاتے ہیں جو ان زخموں کی وجہ بنتے ہیں۔ اور سوال پوچھیں گے بھی کیوں؟ آخر ان زخموں میں ہی تو عزت و شان ہے۔ کوئٹہ میں ہونے والے حالیہ حملے، جب یومِ آزادی میں چند ہی دن رہ گئے تھے، سے اس کلچر کو فروغ دینے کا ایک زبردست موقع فراہم ہو چکا ہے۔ کوک اسٹوڈیو کی جانب سے تازہ ترین خراجِ عقیدت سے لے کر ریڈیو پر پسندیدہ کلاسک نغموں تک، ہم ایک بار پھر ان پرانے درد انگیز نغموں کو سن رہے ہیں جو کہ اب قومی نغموں کے طور پر سنے جاتے ہیں۔ اور اس بار یہ فوجی زبان صرف سرحدوں پر پہرا دے رہے فوجیوں کے لیے استعمال نہیں کی جا رہی بلکہ شام کو باہر پارک میں تفریح کے لیے آنے والے شہریوں اور اسکول میں بریک کے منتظر چھوٹے بچوں کے لیے بھی استعمال کی جا رہی ہے۔ ہم سب بھی اب غیر مسلح فوجی بن گئے ہیں اور ہمیں خود کو فوجیوں کی ہی طرح فولادی حد تک مضبوط بننے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ انتہا پسندی اور دہشتگردی کو ناگزیر سمجھ بیٹھی ہے اور اپنے شہریوں کو فوجی جوانوں کی طرح ایک نئے اور دشوار ماحول میں ڈھلنے کی تربیت دے رہی ہے۔ مگر ہم جوان نہیں ہیں۔ ہم اپنے پیاروں کو کھو کر بیٹھے غمگین شہری ہیں۔ ہمیں یہ یقین دلانے کے بجائے کہ ہم محفوظ ہیں، ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم بہادر ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی دراز زندگی جیئیں، ہمیں اپنے اردگرد پھیلی موت کی بو کو برداشت کرنے کو کہا جاتا ہے۔ زندگی ایک خوبصورت چیز ہے، اور اس کے چھن جانے پر فخر کرنے کے بجائے اسے محفوظ کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہیئں۔ آخر ہمیں یہ بات کب سمجھ آئے گی؟

اور کیا یہ سوالات اٹھانا میری حب الوطنی کو مشکوک بنا دیتا ہے؟

☆☆☆

ایک شخص قتل، دوسرے کا ناک اور ہونٹ کاٹ دیئے گئے

جام پور محمد پور تحصیل جام پور کی دو برادری موہڑ اور گلفاد برادری میں تصادم ہوا۔ وجہ عناد یہ ہے کہ بوہڑ برادری کو رنج تھا کہ گلفاد برادری کے ایک شخص نے بوہڑ برادری کے ایک لڑکے کے ساتھ ناروا تعلق قائم کر رکھے تھے۔ 21 جولائی کو بوہڑ برادری کے کچھ لوگ شکیل احمد گلفاد کی دکان اڈہ چراغ شاہ گئے اور بوہڑ برادری کے ایک شخص عمر نے فائر کیا جو شکیل کو سینے میں لگا اور وہ موقع پر دم توڑ گیا۔ رب نواز نے چھری کے وار کر کے دیگر دو افراد کے ناک اور ہونٹ کاٹ دیے۔ ملزمان پندرہ لوگ تھے جن کے خلاف ایف آئی آر درج کر لی گئی ہے۔ (اجمل حسین)

پیش امام سمیت تین افراد کی لاشیں برآمد

نوشہرہ 25 اگست 2016 کو ضلع نوشہرہ میں حکام کا کہنا ہے کہ تین افراد کی لاشیں ملی ہیں جنھیں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ مرنے والوں میں ایک مسجد کے پیش امام بتائے جاتے ہیں۔ پولیس کے مطابق یہ لاشیں 25 جون کی صبح نوشہرہ کے علاقے نظام پور میں جبئی کے مقام پر سڑک کے کنارے سے ملی ہیں۔ نظام پور پولیس سٹیشن کے انچارج صفدر خان نے کہا کہ ہلاک ہونے والے افراد کو سر میں گولیاں ماری گئی ہیں۔ ان کے مطابق مرنے والوں میں دو کی عمریں 22 سال کے لک بھگ جبکہ تیسرے شخص کی عمر 27 سال کے قریب بتائی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ دو افراد کی شناخت کر لی گئی ہے جن کا تعلق صوابی سے ہے اور جن کی لاشیں ان کے ورثا کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ مرنے والوں میں ایک صوابی کی مسجد میں پیش امام تھے جو صوابی کے ایک مشہور مدرسے سے فارغ التحصیل تھے۔ پولیس افسر کا کہنا تھا کہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہلاک ہونے والے افراد شدت پسندی میں ملوث تھے یا وہ عام شہری تھے جبکہ ان کی ہلاکت کے محرکات بھی تاحال معلوم نہیں ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ ایک نامعلوم شخص کی لاش امانتاً مقامی قبرستان میں سپرد خاک کی جا رہی ہے۔ خیال رہے کہ نوشہرہ میں پہلے بھی مختلف علاقوں سے سڑک کے کنارے لاشیں ملنے کے کئی واقعات سامنے آتے رہے ہیں۔ تاہم کچھ عرصے سے یہ واقعات کافی حد تک کم ہو گئے ہیں۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ ماضی میں قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا کے مختلف اضلاع سے بھی لاشیں ملنا ایک معمول بن گیا تھا تاہم شدت پسندی کے واقعات میں کمی کی وجہ سے لاشیں ملنے کے واقعات بھی کافی حد تک کم ہو گئے تھے۔ (نامہ نگار)

بچے

کمسن بچی کو سوارہ کر دیا گیا

سوات بحرین میں آٹھ سالہ بچی کو سوارہ میں دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کی منگنی کر دی گئی۔ 11 اگست کو بحرین کے علاقے گورنے میں جرگہ ہوا جس میں آٹھ سالہ بچی صبیحہ دختر میاں گل کی منگنی خان دریاب کے بیٹے سے کر دی گئی۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو ساڑھے پانچ لاکھ روپے جرمانہ بھی ادا کرے گا اور لڑکی کی پندرہ سال بعد شادی ہوگی۔ ذرائع کے مطابق تین ماہ قبل لیلیٰ دختر خان دریاب نے عبداللہ ولد میاں گل کے ساتھ پسند کی شادی کی تھی جس پر 11 اگست کو عبداللہ کی آٹھ سالہ بہن مسماۃ صبیحہ دختر میاں گل کو خان دریاب کے بیٹے کو سوارہ میں دینے کا فیصلہ کیا گیا اور پانچ لاکھ پچاس ہزار روپے جرمانہ بھی عائد کیا گیا۔ جس پر آٹھ سالہ لڑکی مسماۃ صبیحہ کی منگنی کر دی گئی اور عبداللہ کو ایک ہفتے کے اندر ساڑھے پانچ لاکھ روپے جرمانہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ جبکہ بچی کی شادی پندرہ سال بعد ہوگی۔

(روزنامہ آج)

چار سالہ بچی کی جبری شادی

حیدرآباد 22 جولائی کو سندھ ہائیکورٹ حیدرآباد سرکٹ بینچ نے تھرپارکر کی رہائشی خاتون کی جانب سے چار سالہ بچی کی 35 سالہ شخص سے جبری شادی کی کوشش، روکنے پر با اثر افراد کی دھمکیوں کے خلاف دائر درخواست پر ڈی آئی جی میرپورخاص، ایس ایس پی تھرپارکر، ایس ایچ او کھیرو و دیگر کو 3 اگست کے نوٹس جاری کر کے جواب طلب کر لیا ہے۔ ہائی کورٹ حیدرآباد ڈسٹرکٹ بینچ میں تھرپارکر کے گوٹھ دیرباری کی رہائشی ریشماں کی جانب دائر درخواست میں کہا گیا تھا کہ علاقے کے با اثر لوگ اس کی چار سالہ بیٹی بشیراں کی 35 سالہ شخص سے جبری طور پر شادی کرانے کی کوشش کر رہے ہیں، انکار پر با اثر افراد سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کھیر تھانے میں شکایت کرنے کے باوجود پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ درخواست گزار نے استدعا کی ہے کہ اسے تحفظ دیا جائے اور با اثر افراد کے خلاف پولیس کو کارروائی کا حکم دیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

کمسن طالب علم کی نعش برآمد

دیر بالا ضلع دیر بالا کے خوبصورت علاقے عشیری درہ سمکوٹ میں دس روز قبل لاپتہ ہونے والا آٹھویں جماعت کے طالب علم شہاب الدین ولد جہانزیب خان کی تشدد زدہ لاش 18 اگست کو مقامی دریا سے برآمد ہوئی۔ مقامی لوگوں کے مطابق بچے کی لاش پر تشدد کی واضح نشانات تھے۔ لاش برآمد ہوتے ہی تھانہ گندیگار کی پولیس حرکت میں آ گئی اور لاش کو قبضے میں لیکر پوسٹمارٹم کیلئے پشاور روانہ کر دیا۔ واقعے کے بعد مقامی لوگوں نے پولیس کی کارکردگی پر سوالات اٹھانے شروع کر دیے۔ کیونکہ شہاب دس روز سے غائب تھا۔ اہل علاقہ سبحان اللہ کے مطابق مقتول بچے کے والدین کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ انکا کہنا ہے کہ اب پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے ضلعی صدر راجہ آمیر زمان خان نے پارٹی ورکرز کے ایک ہنگامی اجلاس بلایا اور ضلع میں پولیس کی ناقص کارکردگی کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔

(نامہ نگار)

طالب علم پر چوری کا الزام

گلگت 14 سالہ طالب علم ارسلان نے بتایا کہ 24 اگست کو سٹی تھانہ کی پولیس نے موٹر سائیکل چوری کے الزام لگا کر اسے اور اس کے ماموں زاد بھائی کو گرفتار کر لیا۔ سٹی تھانہ پولیس نے حوالات میں ان پر تشدد کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ ایک اور جرم کا اعتراف کرنے کے لیے دباؤ ڈالتے رہے۔ اس پر 19 موٹر سائیکلوں کی چوری کا الزام لگایا گیا۔ اس کے ساتھ ناانصافی کی گئی اور اپنی اچھی کارکردگی دکھانے اور ترقی کے لیے ان کی تصاویر میڈیا پر جاری کی گئیں۔ ارسلان نے کہا کہ وہ اور اس کا کزن موٹر سائیکل پر جا رہے تھے کہ سٹی تھانہ کے پولیس اہلکاروں نے انہیں گرفتار کر لیا اور ان دونوں پر موٹر سائیکلوں کی چوری کا الزام لگا کر میڈیا رپورٹ جاری کی۔ اس کے نتیجہ میں اسے اور اس کے گھر والوں کو ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔

(نامہ نگار)

سی پیک منصوبے میں نظرانداز کرنے پر گلگت بلتستان میں ہڑتال

گلگت 16 اگست 2016 کو پاکستان کے شمالی علاقے گلگت بلتستان کے تمام اضلاع میں عوامی ایکشن کمیٹی گلگت بلتستان کی اپیل پر پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے میں گلگت بلتستان کو نظرانداز کیے جانے پر شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔ سابق وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان اور پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما سید مہدی شاہ نے کہا کہ گلگت بلتستان میں ہونے والی تاریخی ہڑتال میں مسلم لیگ ن کے علاوہ باقی تمام پارٹیاں شامل تھیں۔ مقامی صحافی موسیٰ چلونکھ کے مطابق سید مہدی شاہ کا کہنا تھا کہ اس ہڑتال سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت ناکام ہو چکی ہے۔ انھوں نے کہا کہ پاک چین اقتصادی راہداری گلگت بلتستان کے عوام کی رضامندی کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ عوامی ایکشن کمیٹی اور متحدہ وحدت المسلمین بلتستان کے جنرل سکریٹری آغا علی رضوی نے کہا کہ گلگت بلتستان پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کا مرکزی دروازہ ہے مگر سارے فوائد دیگر صوبوں کو دیے جا رہے ہیں۔ ان کے بقول اس حوالے سے آج تک حکومت کے کسی ذمہ دار فرد کی جانب سے عوام کو مطمئن نہیں کیا گیا۔ آغا علی رضوی نے کہا کہ اگر گلگت بلتستان کو پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کا حصہ نہ دیا گیا تو اسے یہاں سے گزرنے نہیں دیا جائے گا۔ سابق صدر ڈسٹرکٹ بار اور سول سوسائٹی کے سرگرم رکن بشارت ایڈووکیٹ نے کہا کہ تمام وکلا نے بھی ہڑتال میں حصہ لیا۔ ان کا کہنا تھا کہ 'ہم سمجھتے ہیں کہ پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے میں گلگت بلستستان کو مکمل طور پر نظرانداز کیا گیا ہے۔ قوم پرست رہنما شریف خان نے کہا کہ گلگت بلتستان کو پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے میں تیسرے فریق کے طور پر شامل کیا جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ ہڑتالیں عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لیں گی۔

(نامہ نگار)

عورتیں

بیوی کو قتل کر دیا

جعفرآباد ڈیرہ اللہ یار سٹی تھانہ کی حد محبت شاخ کے قریب گوٹھ یار محمد میں ولی جان نامی شخص نے اپنی بیوی ش اور حسین بخش کو سیاہ کاری کے الزام میں فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور ڈیرہ اللہ یار تھانہ میں آ کر گرفتاری دے دی۔ پولیس نے موقع واردات پر پہنچ کر دونوں لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہیڈ کوارٹر ہسپتال لا کر پوسٹ مارٹم کروا کر ورثا کے حوالے کر دیا۔ حسین بخش کے بھائی رسول بخش نے تھانہ آ کر ولی جان کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کروا دیا۔

(فاروق مینگل)

لڑکی کے قاتل کے خلاف کارروائی کا مطالبہ

عمرکوٹ 19 جولائی کو کھوکھراپار کے قریب گوٹھ منگٹور میں قتل ہونے والی شادی شدہ خاتون دوری کے قتل کا مقدمہ سرکاری مدعیت میں درج کرنا اور مقتولہ کے بھائی میر محمد چھچھر کا نام ملزموں کے طور پر شامل کرنا غیر قانونی اقدام ہے۔ 24 جولائی کو مقتولہ کے شوہر نظر محمد چھچھر نے کھوکھراپار پولیس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بیوی دوری کا اصل قاتل مبارک چھچھر ہے لیکن کھوکھراپار پولیس نے اصل قاتل کو بچا کر سرکاری فریاد پر اس کے سالے، مقتولہ کے بھائی میر محمد چھچھر کے خلاف غیرت کے نام پر قتل کا جھوٹا مقدمہ درج کیا۔ اس نے مزید کہا کہ مبارک چھچھر گزشتہ ڈیڑھ برس سے اس کی بیوی دوری کو تنگ کر رہا تھا۔ جس کی شکایت برادری کے معزز افراد کو کی گئی تھی۔ لیکن کوئی تلافی نہیں ہوئی۔ اس نے مزید کہا کہ وہ کراچی کے قریب نوری آباد کے علاقے میں کام کرتا ہے اور بیوی کے قتل کی اطلاع ملنے کے بعد گھر آیا تو اس نے بیوی کے اصل قاتل مبارک کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کرانے کی کوشش کی لیکن کھوکھراپار پولیس نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بالآخر سرکاری مدعیت میں مقدمہ درج کر کے اس کے بے گناہ سالے میر محمد کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر لیا۔ اگر اصل جوابدار کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی تو وہ عدالت سے رجوع کرے گا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اس کی بیوی کے قاتل مبارک چھچھر کو بچانے والے پولیس اہلکاروں کے خلاف بھی کارروائی کی جائے۔

(اوکھومنروپ)

فائرنگ سے خاتون زخمی

ٹوبہ ٹیک سنگھ 3 اگست کو تین مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ایک خاتون کو زخمی کر دیا جسے ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ گوجرہ کے چک 354 ج ب کے مشتاق کی بہو سعدیہ بی بی گھر میں سوئی ہوئی تھی کہ اس دوران بابر، گلشن اور اشتیاق گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گئے جنہوں نے سعدیہ پر تشدد شروع کر دیا۔ دوران تشدد سعدیہ نے مزاحمت کی تو ملزموں نے اس پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گئی۔ اطلاع ملنے پر ریسکیو 1122 کا عملہ موقع پر پہنچا جس نے زخمی خاتون کو طبی امداد دیتے ہوئے سول ہسپتال گوجرہ منتقل کر دیا جہاں اسے مخدوش حالت کے پیش نظر اسے الائیڈ ہسپتال فیصل آباد ریفر کر دیا گیا ہے۔ ملزمان موقع سے فرار ہو گئے۔ ذرائع کے مطابق وجہ عناد یہ بتائی جاتی ہے کہ سعدیہ بی بی نے بابر سے طلاق حاصل کر کے مشتاق کے بیٹے زاہد سے شادی کر رکھی تھی جس کا ملزموں کو رنج تھا۔ تھانہ صدر پولیس نے مقدمہ درج کر لیا تھا مگر اس رپورٹ کے ارسال ہونے تک انہیں گرفتار نہیں کیا جا سکا تھا۔

(اعجاز)

زمین کے تنازعہ پر خاتون کو زخمی کر دیا

شہداد کوٹ 21 جولائی کو تحصیل قمبر علی خان کے پولیس اسٹیشن کی حدود گاؤں مری خان چانڈیو میں زمین کے تنازعہ پر گائینما اور چانڈیو قبیلے میں تصادم کی وجہ سے گائینما قبیلے کے مسلح افراد نے فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ایک خاتون حسینہ چانڈیو زخمی ہو گئی، جسے فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا۔ اس خبر کے ارسال ہونے تک کوئی مقدمہ درج نہیں کیا گیا۔

(ندیم جاوید)

نہر سے خاتون کی نعش برآمد

ٹوبہ ٹیک سنگھ کمالیہ چیچہ وطنی روڈ پر واہگی راجباہ پل کے نزدیک سے ایک نامعلوم خاتون کی نعش تیر رہی تھی جسے دیکھ کر اہل علاقہ نے پولیس کو اطلاع دی۔ اطلاع ملنے پر پولیس موقع پر پہنچی جس نے نعش کو اہل علاقہ کی مدد سے نکالا جس کے پاؤں بندھے ہوئے تھے اور گلے میں پھندا ڈالا تھا اور نعش بری طرح مسخ تھی۔ پولیس نے نعش کو قبضے میں لے کر تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال کمالیہ منتقل کر دیا ہے۔ ایس ایچ او صدر کمالیہ ملک اکبر حیات نے رابطہ کرنے پر بتایا کہ نعش مسخ شدہ ہونے کے باعث اس کی شناخت نہیں ہو سکی۔ تھانہ صدر پولیس کمالیہ نے نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔

(اعجاز اقبال)

بھابی پر ناجائز تعلقات استوار کرنے کا الزام لگا کر تشدد کیا

نواب شاہ 16 اگست 2016 کو گوٹھ بہرام خان تحصیل کھڈر ضلع بے نظیر آباد سے تعلق رکھنے والی 32 سالہ خاتون نے وویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ بے نظیر آباد پہنچ کر بتایا کہ اس کا جیٹھ اسے غیرت کے نام پر الزام لگا کر قتل کرنا چاہتا ہے اور اس نے اسے مارنے کے لئے حملہ کیا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ وہ جان بچا کر یہاں پہنچی ہے جس پر وویمن کمپلین سیل کی انچارج زیب النساء راجپوت کی سفارش پر وویمن پولیس اسٹیشن میں ملزم ظہیرالدین شاہانی کے خلاف مقدمہ درج کر کے ملزم کی تلاش شروع کر دی ہے گئی جو واقعہ کے بعد سے فرار ہے۔ 14 اگست 2016، واقعہ کے روز ظہیرالدین ان کے گھر آیا اور اس پر الزام عائد کیا کہ اس نے برادری کے ایک شخص سے ناجائز تعلق قائم کر رکھا ہے جس پر اس نے مجھے بری طرح مارا اور زخمی کر دیا جبکہ مجھے گلا دبا کر مارنے کی کوشش کی جس پر میں نے شور مچایا تو میری ساس اور گاؤں کے دیگر لوگ گھروں سے نکل آئے۔ میری ساس کی مداخلت پر مجھے بچا لیا گیا۔ تاہم آدھی رات کو کم و بیش 4 بجے میرا جیٹھ شراب پی کر گھر کا دروازہ پیٹتا رہا اور مجھے قتل کرنے کی دھمکی دیتا رہا۔ جس پر میری ساس امتل خاتون نے مجھے بچانے کے لئے دوسرے راستے سے نکال کر کھیتوں میں چھپا دیا صبح ہوتے ہی میں اپنی ساس کے ساتھ کھڈر تھانے پہنچی جہاں کوئی افسر موجود نہیں تھا۔ ایک اہلکار نے مشورہ دیا کہ وہ نواب شاہ میں وویمن کمپلین سینٹر جا کر شکایات کرے۔ جس پر میں اپنی ساس کے ساتھ وویمن سینٹر گئی جس پر اس کی رپورٹ وویمن تھانے میں داخل کی گئی ہے۔ وویمن پولیس کی ایس ایچ او نصرت ایوب نے انسانی حقوق کمیشن کو بتایا ہے کہ ملزم کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

(آصف البشر)

سیاہ کاری کے الزام میں بیوی قتل

اوستہ محمد اوستہ محمد کے چانڈیوں محلے میں محمد شریف نے اپنی بیوی ص کو سیاہ کاری کے الزام میں گلا دبا کر قتل کر دیا اور اپنے ہمسایہ جان محمد کے گھر جا کر اسے بھی قتل کرنے کی کوشش کی لیکن گھر میں موجود خاندان کے اراکین کے شور پر ہمسائے نے آ کر محمد شریف کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ لاش کا اوستہ محمد ہسپتال سے پوسٹ مارٹم کروا کر ورثا کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ مقتولہ کے قتل کا مقدمہ درج کروا دیا گیا۔

(فاروق مینگل)

کمسن طالبہ کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا

کنڈیارو بھریاسٹی کے قریب گاؤں سولنگی میں پڑوس میں اپنے سہیلی سے ملنے کے لیے گئی ہوئی نویں جماعت کی طالب علم 16 سالہ شمشاد بیگم کو ان کے ماموں شاہنواز اور اس کے دیگر ساتھیوں نے تشدد کا نشانہ بنایا اور ان پر الزام لگایا کہ یہ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ اس کو پکڑ کر باہر روڈ پر کئی لوگوں کے سامنے تشدد کرتے رہے۔ تشدد کی وجہ سے اس کے جسم پر نشانات بن گئے۔ اس کے بعد اس کی ماں رانی نے اسے بھریاسٹی تھانے پر لے آ۔ ئی پولیس نے ایس سی داخل کر کے انہیں ہسپتال داخل کرنے کے لیے لیٹر دیا۔ وہاں ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر نے ان کا علاج کر کے داخل کرنے کے بجائے گھر جانے کا مشورہ دیا۔ ہسپتال سے واپس آ کر تشدد کا شکار شمشاد بیگم نے اپنی ماں اور باپ رحیم بخش کے ساتھ بھریاسٹی میں آ کر پریس کلب کے سامنے ملزموں کی گرفتاری کے لیے احتجاج کیا اور کہا کہ وقوعہ میں ملوث لوگ بااثر ہیں اس لیے پولیس انہیں گرفتار نہیں کر رہی اور لیڈی ڈاکٹر نے بھی ہسپتال میں داخل نہیں کیا۔ شمشاد کے مطابق اس کے جسم پر زخم ہیں جن کا علاج کرنا لازمی تھا۔ ادھر تشدد کا شکار شمشاد کی ماں رانی اور باپ رحیم بخش کا کہنا تھا کہ پولیس نے ملزموں کے خلاف صرف این سی داخل کی ہے۔ ان کے خلاف مقدمہ درج کر کے گرفتار نہیں کیا گیا۔

(نامہ نگار)

کاروکاری اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

حیدر آباد 25 جولائی کو ناری سنگت سندھ کی جانب سے سندھ صوبے میں بڑھتی ہوئی مذہبی انتہا پسندی، کاروکاری کے نام پر عورتوں کے قتل اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف سنگت کی رہنما فرزانہ شاہ، رضوانہ اور ڈاڑھوں ٹھاکر کی قیادت میں حیدر آباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا جس سے خطاب کرتے ہوئے مظاہرین نے کہا کہ سندھ کی امن پسندی اور مذہبی رواداری کی پہچان ختم کرنے کے لیے ایک منظم سازش کے تحت سندھ میں مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور مذہب کی آڑ میں بے گناہ لوگوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے جبکہ غیرت کے نام پر کاروکاری کے تحت ہر سال ہزاروں خواتین کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا ہے لیکن سندھ کے حکمران عورتوں کو تحفظ فراہم کرنے اور کاروکاری جیسے واقعات کو روکنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

غیرت کے تصور نے ایک اور جان لے لی

جعفر آباد 3 جون کو اوستہ محمد کے ملہ میں سیاہ کاری کے تنازعہ میں علی حسن نے سیاہ کاری کے الزام میں علی حیدر مرچنٹ کے بھائی حیدر اعلی کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور موقع واردات سے فرار ہو گیا لیکن پولیس نے منیر شہید چوکی پر ملزم علی حسن کو گرفتار کر لیا۔ اپریل میں علی حسن کی شادی ع سے ہوئی تھی جو کہ پہلے بھی سیاہ کاری کے الزام میں نے ع کو طلاق ہوئی تھی جس کے بعد علی حسن سے شادی ہوئی۔ شادی کے ایک ماہ بعد ع کے گھر فرار ہو کر واپس اپنے پہلے دوست نے جالی اور علی حسن نے علی حیدر میر جت جو کہ پہلے بھی سیاہ کاری کے الزام میں آیا تھا اس کے بدلے اپنی بیوی واپس دینے کا مطالبہ کیا لیکن علی حیدر کے والد نے چند روز کا وقت دینے کے بعد لاتعلقی ظاہر کی جس کی وجہ سے اس کے بھائی حیدر اعلی میر جت کو اوستہ محمد میں قتل کر دیا۔ واقعہ 3 جون کو پیش آیا تھا۔

(محمد فاروق)

ایک اور زندگی ''عزت'' کے تصور کی بھینٹ چڑھ گئی

کمالیہ ایک شخص نے غیرت کے نام پر اپنی جواں سالہ بہن کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ کمالیہ کے چک 732 گ ب سوٹیاں والا کے اللہ دتہ کو اپنی بہن 22 سالہ مہراں بی بی کے کردار پر شک تھا۔ اللہ دتہ نے شک کی بنا پر مہراں بی بی پر فائرنگ کر دی جس سے وہ شدید زخمی ہو گئی اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پر ہی دم توڑ گئی اور ملزم موقع سے فرار ہو گیا۔ اطلاع ملنے پر تھانہ صدر پولیس کمالیہ موقع پر پہنچی جس نے نعش قبضے میں لے کر کارروائی شروع کر دی ہے۔ پولیس کے مطابق لڑکی کو غیرت کے نام پر نہیں بلکہ وٹہ سٹہ کی شادی کے معاملے پر قتل کیا گیا ہے تاہم اہل علاقہ کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ لڑکی کو اللہ دتہ نے غیرت کے نام پر قتل کیا ہے۔

(اعجاز اقبال)

نوجوان لڑکی کا قتل

کوہاٹ صوبہ خیبر پختونخوا کے شہر کوہاٹ کے علاقے جنگل خیل میں ایک لڑکی کو اس کے کزن نے مبینہ طور پر غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔ پولیس کے مطابق ملزم اپنی آنٹی کے گھر گیا اور ان کی بیٹی پر بدکاری کا الزام لگایا، بعد ازاں اس نے اپنی کلاشنکوف نکالی اور فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں لڑکی موقع پر ہی ہلاک ہو گئی۔ لڑکی کی لاش کو پولیس نے کوہاٹ ڈیولپمنٹ اتھارٹی (کے ڈی اے) ٹیچنگ ہسپتال منتقل کیا اور بعد ازاں پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے حوالے کر دیا گیا۔ (نامہ نگار)

بیوی کی جان لے لی

چارسدہ شبقدر میں صدر گڑھی میں شوہر نے بیوی کو قتل کر دیا۔ 19 اگست 2016 کو شبقدر کے علاقہ صدر گڑھی میں گھریلو ناچاقی پر شوہر نے بیوی کو قتل کر دیا مقتولہ کی ایک سال قبل اپنے چچازاد کے ساتھ شادی ہوئی تھی مقتولہ کی والدہ کی مدعیت میں تھانہ خواجہ وس میں مقدمہ درج کر لیا گیا، صدر گڑھی شبقدر میں گھریلو ناچاقی پر شوہر اپنی بیوی (س) کو قتل کر کے موقع واردات سے فرار ہو گیا۔ پولیس نے تفتیش شروع کر دی۔

(نامہ نگار)

ہاری خاتون رہنما سے انصاف کیا جائے

عمرکوٹ 14 اگست کو تحصیل سامارو کے علاقے صالح بھنبھر و میں کوہلی برادری کے افراد نے لالجی، شنبھو، کیلاش کوہلی اور کھموں اوڈ کی رہنمائی میں احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر مظاہرین نے کہا کہ ہاری خاتون رہنما ویرو کوہلی کے خلاف ہوسٹری پولیس کی طرف سے جھوٹا مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ ہاری خاتون رہنما ویرو کوہلی سے انصاف کیا جائے۔

(راجندر کمار)

صحت

مریضوں کو علاج میں مشکلات کا سامنا

گلگت گلگت میں دوروز سے ڈسٹرکٹ ہسپتال میں ڈاکٹروں کی ہڑتال کے باعث مریضوں کو علاج کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔8اگست کے روز مریضوں اور اُن کے لواحقین نے ہسپتال کے سامنے احتجاج کیا۔ احتجاجی مظاہرین نے سڑک پر ٹائر جلائے اور ایم ایس کے خلاف نعرہ بازی بھی کی۔مریضوں کے لواحقین عبدالجبار، یاسر علی، عباس اور نصیر احمد نے کہا کہ گزشتہ دوروز سے ڈاکٹر مریضوں کا چیک اپ نہیں کر رہے ہیں۔وہ دور دراز علاقوں سے اپنے مریضوں کو علاج کی خاطر لے کر آئے ہیں لیکن یہاں ڈاکٹروں کی ہڑتال کے باعث پورا ہسپتال بند ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ لوگ غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ نجی کلینکس میں بھاری رقوم دے کر اپنے مریضوں کا علاج نہیں کرا سکتے ہیں۔حکومت اس صورتحال کا نوٹس لے اور فوری طور پر ڈسٹرکٹ ہسپتال میں مریضوں کے علاج کا بندوبست کرے۔اُنہوں نے مزید کہا کہ جب تک ایم ایس کے خلاف کاروائی نہیں ہوگی وہ احتجاج جاری رکھیں گے۔

(درمرجان)

پانی کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا

چمن بلوچستان کے پہاڑی علاقے میں کچھ عرصہ پہلے طوفانی ہواؤں کی وجہ سے ٹاور گر گئے تھے۔جس کی وجہ سے بلوچستان میں بجلی کا بحران شدت اختیار کر گیا تھا۔اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ٹینکر مافیا نے فی ٹینکر قیمت دوگناہ کردی تھی۔ لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ بجلی کا بحران ختم ہونے کے بعد بھی پرانی قیمت بحال نہیں کی جا سکی۔جس کی وجہ سے غریب عوام کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ان خیالات کا اظہار عبدالعلیم سجاد، بشیر احمد، حاجی اقبال، حاجی مولاداد اور دیگر نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نامہ نگار کے ساتھ ملاقات میں کیا۔انہوں نے مزید کہا کہ پانی کی فی ٹینکر قیمت 1200 سے کر 1500 روپے کا بندوبست کرنا غریب عوام کی پہنچ سے بہت دور ہے۔اس کٹھن حالات میں دو وقت کی روٹی کو عوام ترس رہے ہیں لیکن 1500 میں پانی خریدنا غریب عوام کے لیے ناممکن ہے۔اہلیان چمن نے حکومت سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ ٹینکر مافیا کے خلاف ایکشن لیا جائے اور پرانی قیمت بحال کرائی جائے تاکہ عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔

(محمد صدیق)

بچہ پولیو کا شکار

جعفرآباد اوستہ محمد کے محلّہ اریگیشن میں تین سالہ اصغر علی ولد علی حسن پولیو کی وجہ سے اپنی ٹانگیں کھو بیٹھا ہے۔تفصیلات کے مطابق محلّہ اریگیشن کے چائینز کالونی میں علی حسن کے گھر میں اس کا تین سالہ بیٹا اصغر علی پولیو کی وجہ سے اپنی ٹانگیں کھو بیٹھا ہے۔ علی حسن نے ضلعی کورگروپ ایچ آر سی پی کے ہمراہ اپنے بیٹے کو ڈیرہ اللہ یار سے ڈاکٹرز کی آنے والی ٹیم کو تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ وہ ایک مزدور ہے وہ اب اپنے بیٹے کا علاج کیسے کرواسکتا ہے۔چونکہ گورنمنٹ بلوچستان نے دعویٰ کیا ہے کہ ہمارا ملک پولیو سے پاک ہے اس کے باوجود اس کا بیٹا پولیو میں مبتلا ہوگیا ہے۔اس نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ اس کے بیٹے کا علاج کروایا جائے اور اسے پریشانی سے بچایا جائے۔

(محمد فاروق)

ہسپتال میں سہولیات کا فقدان

اوکاڑہ تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال رینالہ خورد سہولیات کی عدم فراہمی سے مسائل کی آماجگاہ بن گیا ہے۔وارڈز کے اندر صفائی کی صورتحال انتہائی ناقص ہے۔ہسپتال میں ایمرجنسی میں مریض کو ابتدائی طبی امداد تک میسر نہیں ہے۔حادثات کی صورت میں مریضوں کو اوکاڑہ یا لاہور ریفر کر دیا جاتا ہے۔ڈاکٹرز اور دیگر عملہ اپنی تنخواہیں وصول کر کے اپنی ڈیوٹی سے اکثر غیر حاضر رہتے ہیں۔ڈاکٹرز حاضری لگانے کے بعد اپنے پرائیویٹ کا رخ کر لیتے ہیں اور وہاں مریضوں کو چک اپ کروانے کا کہتے ہیں، ہسپتال کے درجہ چہارم ملازمین ادویات کی چوری میں ملوث ہیں اور بعدازاں چوری شدہ ادویات مقامی میڈیکل سٹوروں پر فروخت کردی جاتی ہیں۔ہسپتال میں سپیشلسٹ ڈاکٹروں کی آسامیاں خالی پڑی ہیں۔مریضوں کے لیے پینے کے صاف پانی کا انتظام نہیں ہے اور نہ ہی مریضوں کے بیٹھنے کے لیے صاف جگہ دستیاب ہے۔مقامی شہریوں نے ڈی سی او اوکاڑہ سے ہسپتال کے مسائل حل کروانے کا مطالبہ کیا ہے۔مقامی شہری محمد ارشد نے بتایا کہ ہسپتال رینالہ خورد میں صفائی کی صورتحال خراب ہے۔ہسپتال کی ایمرجنسی میں ادویات دستیاب نہیں ہیں۔حادثات کی صورت میں مریضوں کو اوکاڑہ یا لاہور ریفر کر دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر ہسپتال میں حاضری لگا کر غائب ہوجاتے ہیں۔انچارج/سینئر میڈیکل آفیسر ٹی ایچ کیو ہسپتال رینالہ خورد ڈاکٹر افضل نے بتایا کہ ہسپتال کے لیے موجودہ بجٹ میں زیادہ رقم رکھی گئی ہے جس سے سہولیات کی فراہمی مکمل ہو سکے گی۔

(اصغر حسین حماد)

ڈاکٹرز کو ڈیوٹی کا پابند کیا جائے

چمن ضلع قلعہ عبداللہ کی تحصیل چمن میں بارہ لاکھ نفوس سے زائد آبادی ہے جس میں ایک ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال ہے۔لیکن شعبہ زنانہ میں حاضر سروس لیڈیز ڈاکٹرز کی جانب سے ہسپتال میں ڈیوٹی نہ دینے کی وجہ سے غریب زنانہ مریضوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال چمن میں بہت عرصے سے بااثر لیڈی ڈاکٹرز غائب ہیں لیکن صرف ایک لیڈیز ڈاکٹر موجود رہتی ہے جس کی وجہ سے مریضوں کی صحیح تشخیص نہیں ہو پا رہی۔مریضوں کو کئی دنوں میں انتظار کر کے نمبر ملتا ہے۔سول ہسپتال سے غائب رہنے والی لیڈیز ڈاکٹرز اپنے پرائیویٹ کلینکوں میں بیٹھتی ہیں۔اور اسی طرح نارمل کیس کو خطرناک بنا کر آپریشن کرایا جاتا ہے جس میں زچہ و بچہ دونوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔اہلیان چمن نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی کہ وہ اس حالات کو دیکھ کر لیڈیز ڈاکٹرز کو سرکاری ڈیوٹی پر پابند بنائیں۔

(نامہ نگار)

غیر قانونی لیبارٹریوں کے خلاف احتجاج

رینالہ خورد رینالہ خورد میں شیرگڑھ روڈ، انوار شہید کالونی، محلز روڈ اور دیگر مقامات پر غیر قانونی میڈیکل لیبارٹریوں کی بھرمار ہوچکی ہے۔نان کوالیفائیڈ، عملے اور زنگ آلود مشینوں کے باعث ہر لیبارٹری کا رزلٹ دوسری لیبارٹری سے مختلف ہوتا ہے جبکہ ٹیسٹ کی فیسیں بھی منہ مانگی وصول کی جاتی ہیں۔مریض کے مرض کی درست تشخیص نہ ہونے کے باعث مریضوں اور ان کے لواحقین کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔محکمہ صحت اوکاڑہ اس سلسلے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہے۔مقامی شہریوں نے وزیراعلیٰ پنجاب اور سیکریٹری ہیلتھ پنجاب سے غیر قانونی لیبارٹریوں کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر ڈاکٹر مہر ارشاد احمد نے بتایا کہ موجودہ سال میں عطائی ڈاکٹروں اور لیبارٹیروں کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے ان کو سیل کیا گیا ہے۔رینالہ خورد میں بھی جلد آپریشن شروع کیا جائے گا۔

(اصغر حسین حماد)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

ایف سی اہلکاروں کی فائرنگ سے تاجر ہلاک

چمن 11 اگست کو قانون نافذ کرنے والے ادارے کے اہلکاروں نے نوجوان تاجر نصیب اللہ کو اندھا دھند فائرنگ کرکے ہلاک کردیا۔ بعدازاں ان کے رشتہ داروں نے حکومت کے خلاف نعرے بازی کی۔ اگلے دن آل پارٹیز ایکشن کمیٹی نے لاش ڈی سی او کے دفتر کے سامنے رکھ کر دھرنا دیا۔ رہنماؤں نے کہا کہ آخر کب تک ان کے نوجوان اور تاجر غیر محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ اس بہیمانہ قتل کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ ملزمان کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ پولیس نے مقدمہ درج کرلیا ہے۔

(محمد صدیق)

پولیس حراست میں تشدد کا نشانہ بنایا

عمرکوٹ 20 جولائی کو تحصیل کنری کے گوٹھ اسحاق ہالیپوٹو میں خاتون کے اغواء کے معاملے پر دو فریقین میں ہونے والے جھگڑوں کے بعد گرفتاری دینے والے اشفاق ہالیپوٹو کو تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے خلاف اس کے والد اسحاق ہالیپوٹو کی طرف سے 25 جولائی کو احتجاج کیا گیا۔ اس موقع پر معمر شخص اسحاق نے کہا کہ سول ہسپتال حیدرآباد میں زیر علاج میرے بیٹے اشفاق کا ریمانڈ پورا ہونے پر مزید ریمانڈ کے لیے انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت نے 9 دنوں کا ریمانڈ دیا۔ اشفاق ہالیپوٹو پر دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمہ درج ہونے کے بعد لواحقین کی طرف سے کئے جانے والے مسلسل احتجاج پر ایس ایس پی عمرکوٹ نے مغوی بتائی گئی خاتون کے لواحقین، پولیس اہلکاروں اور کیس کے جانچ افسروں کو ایس پی آفس عمرکوٹ میں طلب کرکے معلومات لیں۔ پولیس اشفاق ہالیپوٹو کو 27 جولائی کو اس کے گوٹھ سے لے گئی اور ملزمہ کی طرف سے استعمال کی گئی بندوق کی ریکوری ظاہر کی اور بندوق کا لائسنس اس کے والد اسحاق کے نام ہونے پر ملزم کے خلاف ایک اور مقدمہ سرکاری مدعیت میں۔ مغوی خاتون شبانہ جمالی نے سندھ ہائی کورٹ سرکٹ بینچ حیدرآباد میں پیش ہوکر پولیس کی طرف سے تشدد کا نشانہ بننے والے شخص اشفاق ہالیپوٹو کے بھائی راجا پیرو سے پسند کی شادی کرنے کا بیان دیا۔ ہالیپوٹہ برادری کے افراد مقدمات درج ہونے اور گرفتاری کے خوف کی وجہ سے نامعلوم مقام پر حفاظت کی خاطر پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اوراس وجہ سے ایس پی آفس عمرکوٹ بیانات قلمبند کرانے کے لئے نہیں کئے گئے۔

(اوکھومنروپ)

پولیس کے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج

شہدادکوٹ 21 جولائی کو باڈھر کے زکریا محلے کے رہائشیوں نے غلام نبی کولاچی کی رہنمائی میں بچوں اور عورتوں اور شہریوں کے ساتھ مل کر تحصیل نصیرآباد کی پولیس کی ناانصافیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز تھے جن پر ہم جینا چاہتے ہیں، نصیرآباد پولیس جینے نہیں دیتی جیسے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر غلام نبی کولاچی نے میڈیا سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کچھ سال پہلے نصیرآباد کے رہائشی مجید اور الیاس والوں کے ساتھ رشتہ داری کے مسئلہ پر جھگڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے کئی سالوں سے وہ پولیس کو پیسے دیتے ہیں۔ ہمارے گھر پر چھاپا مار کر چادر اور چاردیواری کا تقدس بھی پامال کیا۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے اپیل کی ہے کہ انہیں جلدازجلد انصاف مہیا کیا جائے۔

(ندیم جاوید)

قیدیوں کی ہڑتال

گلگت سب جیل جوٹیال میں تین دنوں سے قیدیوں کی ہڑتال جاری ہے۔ جیل میں طبی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ہڑتال کی گئی۔ اب تک کوئی اقدامات نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ یہ ہڑتال اس وقت واقع ہوئی جب ایک قیدی کی حالت ناساز ہوئی اور قیدیوں نے بیمار قیدی کو ہسپتال لیجانے کی اپیل کی تو اسے ہسپتال منتقل نہیں کیا گیا جس پر قیدی طیش میں آگئے اور انتظامیہ کے خلاف احتجاج کیا اور بارک بندی نہ ہونے دی اور مطالبہ کیا کہ سب جیل گلگت میں قیدیوں کے لیے طبی سہولیات فراہم کی جائیں۔

(درمہ جان)

جیل میں گنجائش سے زائد قیدی

پشاور پشاور میں 300 قیدیوں کی گنجائش والی سنٹرل جیل میں 5 ہزار سے زائد قیدیوں کا انکشاف ہوا ہے۔ سینٹرل جیل پشاور میں جس میں ان دنوں 300 قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش ہے تام جیل میں 5 ہزار سے زائد قیدیوں کو رکھے جانے کا انکشاف ہوا ہے جن میں بیشتر تعداد افغان باشندوں کی ہے۔ دفعہ 14 فارن ایکٹ کے تحت گرفتار کیے گئے یہ افغانی عدالتوں کی جانب سے ان کے اپنے ملک واپس بھجوانے کے احکامات کے منتظر ہیں۔ سینٹرل جیل پشاور کی قدیم عمارت کو مسمار کرکے مذکورہ مقام پر جدید سہولتوں سے آراستہ جیل کی تعمیر نو کا کام جاری ہے اور پشاور جیل جہاں پہلے 32 سو قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش تھی کی بیشتر بیرکیں مسمار کی جا چکی ہیں اور جیل کے سزایافتہ قیدیوں کو صوبے کے دیگر جیلوں میں منتقل کیا جا چکا اور یہاں صرف ان ملزموں کو رکھا گیا ہے جن کے مقدمات زیر سماعت ہیں اور انہیں مقامی عدالت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ تاہم دوسری جانب حکومت کی جانب سے غیر قانونی طور پر مقیم افغان باشندوں کے خلاف خصوصی مہم نے جیل انتظامیہ کو مشکلات سے دوچار کردیا ہے۔ یہ مہم گزشتہ ایک ماہ سے جاری ہے اور روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں پولیس ایسے افغان باشندوں کی گرفتاری عمل میں لا رہی ہے جو غیر قانونی طور پر شہر میں مقیم ہیں اور ان افغانیوں کے پاس کسی قسم کے سفری دستاویزات ہیں اور نہ ہی انہوں نے بطور افغان مہاجر اپنی رجسٹریشن کرارکھی ہے۔ ایسے افغانیوں کو دفعہ 14 فارن ایکٹ کے تحت گرفتار کرکے جیل بھجوایا جا رہا ہے۔ کیونکہ دفعہ 14 فارن ایکٹ ناقابل ضمانت ہے جو صرف غیر ملکیوں پر لاگو ہوتی ہے اور اس دفعہ کے تحت گرفتار ہونے والے ملزموں کی ضمانت پر رہائی نہیں ہوسکتی لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پشاور جیل کے اندر ہی کیمپ کورٹ قائم کرکے ان کے مقدمات نمٹائے جائیں اور افغانستان واپس بھجوانے کے احکامات جاری کئے جائیں تاکہ پشاور جیل پر بوجھ کم ہوسکے۔

(روزنامہ آج)

سماجی کارکن کا پولیس اہلکاروں کے خلاف احتجاج

حیدرآباد 27 جولائی کو سماجی کارکن ویروکوہلن نے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے گرین رورل ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن اور ہاری مزدور تنظیم کی ثناء ملوکانی، شاہدہ خاصخیلی، راجہ کولہی ودیگر کے ساتھ احتجاج کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کو بتایا کہ پولیس اہلکاروں نے اس کے گھر میں گھس کر اہل خانہ کو تشدد کا نشانہ بنایا اور اس کے شوہر تلسی کو اٹھا کرلے گئے، اس کے بعد پندرہ ہزار رشوت لے کر اس کے شوہر کو چھوڑ دیا اور جھوٹا مقدمہ درج کروادیا۔

(لالہ عبدالحلیم)

پولیس کے مبینہ تشدد سے نوجوان ہلاک

بصیرپور 11 اگست کو تھانہ صدر اوکاڑہ میں 20 سالہ مبشر کے اغواء کے مقدمہ میں زیرحراست ملزم فیاض کی طبیعت تھانہ کی حوالات میں خراب ہونے پر اسے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال اوکاڑہ داخل کروایا گیا جہاں وہ ایک روز زیرمقدمہ رہنے کے بعد 11 اگست کو دم توڑ گیا۔ فیاض کی موت کی اطلاع پر اس ورثاء سراپا احتجاج بن گئے جن کا کہنا تھا کہ فیاض کو دوران حراست وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا جن کی وجہ سے فیاض ہلاک ہوگیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تشدد کرنے والے پولیس افسران کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔ ڈی پی او اوکاڑہ فیصل رانا نے ایس ایچ او تھانہ اے ڈویژن نوشہر کاٹھیا اور تفتیشی افسران کو معطل کردیا اور فیاض کے والد مشتاق کی درخواست پر تھانہ صدر اوکاڑہ میں دفعہ 302 کے تحت ایس ایچ او انسپکٹر نوشہر کاٹھیا، اے ایس آئی زاہد ریفق طارق اور محرر لطیف سمیت چار نامعلوم ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرلیا۔ فیض احمد کی نعش کا پوسٹ مارٹم کروانے کے بعد لاش کو دفنا دیا گیا ہے۔ فیاض احمد کے والد مشتاق احمد نے بتایا کہ اس کے بیٹے فیاض احمد کو ایک روز قبل 20 سالہ مشبر کے اغواء کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ پولیس اہلکاران ایس ایچ او تھانہ اے ڈویژن، نوشہر کاٹھیا، اے ایس آ ہی زاہد، اے ایس آ ہی رفیق، اے ایس آ ہی طارق اور محرر لطیف اسے تھانہ صدر میں تفتیش کے بہانے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بناتے رہے جس پر اس کی حالت بگڑ گئی تھی اور اسے ڈی ایچ کیو ہسپتال اوکاڑہ داخل کروا دیا گیا جہاں وہ ایک روز بعد ہلاک ہوگیا۔ اس کے جسم پر تشدد کے نشان واضح تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے ایس ایچ او تھانہ اے ڈویژن اوکاڑہ نوشہر کاٹھیا، تین اے ایس آئی اور ایک محرر کے خلاف مقدمہ درج کروا دیا گیا ہے۔ ایس ایچ او تھانہ اے ڈویژن نوشہر کاٹھیا نے بتیا کہ فیاض کی طبیعت خراب ہونے پر اسے ڈی ایچ کیو ہسپتال اوکاڑہ داخل کروا دیا گیا تھا جہاں وہ ہلاک ہوگیا۔ اس پر پولیس کی طرف سے تشدد نہیں کیا گیا۔ فیاض احمد کو بیس سالہ مبشر کے اغواء کے الزام میں گرفتار کرکے تفتیش کی گئی تھی۔

(اصغر حسین حماد)

پولیس نے شہری کو تشدد کا نشانہ بنایا

نواب شاہ 5 اگست کو جمال شاہ گوٹھ کے رہائشی خاندان نے نواب شاہ پریس کلب کے سامنے پولیس کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بتایا کہ علاقہ زمیندار یعقوب زرداری کی تین بھینسوں کی چوری کا الزام لگا کر پولیس نے ان کے گھر کے ایک فرد کو حراست میں لیا اور نامعلوم مقام پر منتقل کرکے اسے بہیمانہ اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ ورثاء کا کہنا تھا کہ علاقہ کے بااثر زمیندار یعقوب زرداری کی 400 ایکڑ زرعی اراضی کے ساتھ ان کی 12 ایکڑ زمینیں آباد ہیں جسے مقامی زمیندار کئی بار کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کرنے کا دباؤ ڈالتا رہا ہے۔ تاہم ان کے مسلسل انکار پر زمیندار نے اپنی تین بھینسوں کی چوری کا الزام متاثرہ شخص حضور بخش مٹھیانی پر عائد کرکے اسے پولیس کے ذریعے حراست میں لے کر نامعلوم مقام پر منتقل کیا اور وہاں اسے اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ پی ایم سی ہسپتال نواب شاہ میں زیرعلاج متاثرہ شخص حضور بخش مٹھیانی نے انسانی حقوق کمیشن کے کارکنوں کا بتایا کہ وہ اپنے گھر میں موجود تھا کہ سب انسپکٹر علی محمد کھوسا اپنی نجی کار میں دو اہلکاروں کے ہمراہ آیا اور اسے پکڑ کرلے گیا اور کم وبیش 6 کلومیٹر دور لے جاکر ایک مکان کے کمرے میں 7 گھنٹے قید میں رکھ کر شدید اذیتیں دیں، جس سے اس کی کمر، کولہے اور پیروں کے تلوے بری طرح متاثرہ ہوئی ہیں۔ حضور بخش کا کہنا ہے کہ پولیس اسے وقفہ وقفہ سے چار گھنٹوں تک اذیت دیتی رہی۔ اور بار بار بھینسوں کی چوری کا الزام اپنے سر لینے کے لئے دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ سب انسپکٹر نے یہ بھی کہا کہ اسے قتل کرکے دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کے مسلسل انکار پر انہوں اسے شدید اذیتیں دی جس سے وہ بیہوش ہوگیا، جب ہوش آیا تو ہسپتال میں لاوارث پڑا تھا۔ متاثرہ شخص کا کہنا ہے کہ اسے ہسپتال عملے نے بتایا کہ پولیس اہلکار کار میں لے کر آئے تھے اور ہسپتال چھوڑ کر چلے گئے۔ متاثرہ شخص نے بتایا کہ علاقہ کا بااثر زمینداران سے 12 ایکڑ زمین کوڑیوں کے بھاؤ خریدنا چاہتا ہے۔ انکار پر وہ انہیں مختلف حربوں سے پریشان کرتا رہتا ہے۔ اس ضمن میں جمال شاہ پولیس کے ایس ایچ او محمد ممتاز رڈ کا کہنا ہے کہ ان کے تھانے میں نہ تو بھینسوں کی چوری کی کوئی رپورٹ درج ہوئی ہے اور نہ ہی کسی ملزم کو گرفتار کیا گیا ہے۔ متاثرہ خاندان کی جانب سے احتجاج کرنے پر ایس ایس پی تنویر احمد تنیو نے واقعہ کی انکوائری کرنے جبکہ ملوث پولیس اہلکار کو معطل کرکے کوارٹر گارڈ کرنے کا حکم صادر کیا ہے دوسری جانب متاثرہ شخص کا طبی معائنہ کرانے اور واقعہ میں ملوث ملزمان کے خلاف کارروائی کا بھی حکم جاری کیا گیا ہے۔ تاوقت تحریر متاثرہ شخص زیرعلاج ہے جس کے طبی معائنے کی رپورٹ جاری نہیں ہوسکی اور نہ ہی کسی ملزم کے خلاف کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔

(آصف البشر)

مفرور مجرموں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ

بٹگرام تحصیل آلئی ضلع بٹگرام، دیگر اضلاع کے مفروروں کی آمجا گاہ بن چکا ہے۔ چند بااثر وڈیروں نے ان مفروروں کو پناہ دے رکھی ہے جو کہ ضلع کوہستان وغیرہ کے مفرور ہیں۔ ان مفروران کو مقامی پولیس تھانہ بند آلئی کے ایس ایچ او کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اور یہ مجرم اور ہر جگہ وارداتیں اور کئی لوگوں کو مار رہے ہیں۔ اور فائرنگ کرکے دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ مقامی لوگ ان افراد کے اقدامات سے تنگ آچکے ہیں۔ آئی پولیس کو بھی مقامی لوگوں نے لکھا ہے۔ فوج کی چھاپہ مار مسلح ٹیم آلئی آئی تھی مگر اس وقت یہ لوگ کچھ دنوں کے لیے پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور پھر واپس اپنے اپنے ٹھکانوں پر آچکے ہیں۔ جو کہ ضلع بیاری وموضع راشنگ میں آباد ہیں۔ ان کے خلاف کارروائی کی اشد ضرورت ہے۔

(نامہ نگار)

کوئٹہ میں وکلاء برادری پر حملے کی مذمت

حیدرآباد ویمن ایکشن فورم، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اسپیشل ٹاسک فورس نے سول سوسائٹی کی دیگر تنظیموں کے ہمراہ 2 اگست کو ملک بھر میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور کوئٹہ میں وکلاء برادری پر دہشت گردانہ حملے کی مذمت کی اور دہشت گردوں کے خلاف جامع پالیسی مرتب کرنے اور ملک سے انتہا پسندوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ مظاہرے کا انعقاد پریس کلب حیدرآباد کے سامنے کیا گیا تھا۔ امرسندھ، ڈاکٹر اشوتھاما، ایڈووکیٹ کے بی لغاری، سہانی، روبینہ چانڈیو، سینئر صحافی فاروق سومرو اور سول سوسائٹی کے دیگر اراکین نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک سے دہشت گردی اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک نفرت انگیز اور اشتعال انگیز مواد کی اشاعت اور تشہیر پر قابو نہیں پایا جاتا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ہر قسم کی دہشت گردی اور انتہا پسندی کی شدید مذمت کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ کالعدم مذہبی گروہوں کے خلاف ٹھوس کارروائی کی جائے۔ مظاہرین نے کہا کہ ”گھاس کی بجائے جڑیں کاٹی جائیں“۔

(ایچ آر سی پی، اسپیشل ٹاسک فورس، حیدرآباد)

کاری، کاروکہہ کر مار ڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہد حق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 26 فروری سے 14 مارچ تک 9 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 7 خواتین اور 2 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار /نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن /اخبار
24 جولائی	فائزہ چاچڑ	خاتون	17 برس	-	حاکم چاچڑ	بندوق	چچا	گوٹھ صیفل چاچڑ، کندھ کوٹ، کشمور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
24 جولائی	حافظ عطاء اللہ واگاہی	مرد	-	-	حاکم چاچڑ	بندوق	-	گوٹھ صیفل چاچڑ، کندھ کوٹ، کشمور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
25 جولائی	مہناز گولو	خاتون	-	شادی شدہ	میر محمد گولو	بندوق	خاوند	گوٹھ لال محمد، بخشاپور، کشمور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
27 جولائی	مسماۃ تکل تیغانی	خاتون	-	شادی شدہ	عبدالواحد تیغانی	بندوق	خاوند	نزد خانپور، شکارپور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
29 جولائی	شکور بھیو	مرد	-	-	بشیر بھیو	بندوق	پڑوسی	گوٹھ بلال بھیو، کندھ کوٹ، کشمور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
29 جولائی	بگو شر	مرد	-	شادی شدہ	سومرو شر	بندوق	رشتے دار	رانوتی، گھوٹکی۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
29 جولائی	-	خاتون	-	شادی شدہ	سومرو شر	بندوق	خاوند	رانوتی، گھوٹکی۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
یکم اگست	کشمیراں بوزدار	خاتون	-	-	برکت بوزدار	بندوق	کزن	حسینی محلہ لاڑکانہ۔سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
02 اگست	آمنہ	خاتون	-	شادی شدہ	عبدالرزاق کھوسو	بندوق	بھائی	صلاح جعفری، خانپور، شکارپور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
02 اگست	شرما بنگلانی	خاتون	20 برس	شادی شدہ	نصر اللہ بنگلانی	بندوق	خاوند	گوٹھ جعفر بنگلانی، نیو فوجداری، شکارپور۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
12 اگست	ارمیلا بھرٹ	خاتون	24 برس	شادی شدہ	رسول بخش	بندوق	خاوند	گوٹھ پیر جمن، نوشہرو فیروز۔سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
19 اگست	اشرف	خاتون	-	شادی شدہ	غلام نبی مزل	کلہاڑی	خاوند	بڑانی، کشمور۔سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
20 اگست	حکیماں جاگیرانی	خاتون	-	شادی شدہ	میر جاگیرانی	-	خاوند	گوٹھ رحمت جاگیرانی، کچو بنڈ، گھوٹکی۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
21 اگست	نواب خاتون	خاتون	-	شادی شدہ	مومن علی اجن	لاٹھی	خاوند	پیر بڈھڑو، سیٹھارجہ، خیرپور میرس۔سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 15 جولائی سے 22 اگست تک 120 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 91 خواتین شامل ہیں۔ 74 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 18 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار /نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن /اخبار
15 جولائی	-	بچہ	12 برس	غیر شادی شدہ	-	اہل علاقہ	بادامی باغ، لاہور	-	-	روزنامہ نوائے وقت
17 جولائی	ن	بچی	9 برس	غیر شادی شدہ	ساجد	چچا	جتوئی	درج	گرفتار	روزنامہ دنیا
17 جولائی	-	بچی	7 برس	غیر شادی شدہ	ساجد	چچا	جتوئی	درج	گرفتار	روزنامہ دنیا
17 جولائی	د	خاتون	-	غیر شادی شدہ	عرفان	اہل علاقہ	ولی پورہ، غلام محمد آباد، فیصل آباد	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
17 جولائی	ش	بچی	12 برس	غیر شادی شدہ	ابوبکر، زین، بلال	اہل علاقہ	وڈالہ سندھواں، سیالکوٹ	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
17 جولائی	-	خاتون	-	شادی شدہ	-	اہل علاقہ	کاہنہ، لاہور	-	-	روزنامہ جنگ
17 جولائی	ن	خاتون	37 برس	-	اعجاز	اہل علاقہ	رحمان کالونی، جوہر آباد	درج	-	روزنامہ نئی بات

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
18جولائی	ر	خاتون	۔	۔	۔	کزن	ایل پلاٹ، رینالہ، سرائے مغل	درج	۔	روزنامہ دنیا
18جولائی	جاوید اقبال	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	حامد	استاد	محلہ مصطفیٰ آباد، جلال پور بھٹیاں	درج	۔	روزنامہ خبریں
☆20جولائی	ث	خاتون	۔	شادی شدہ	ناصر محمود	اہل علاقہ	چک نمبر 18 فورڈواہ، حاصل پور	درج	۔	شیخ مقبول حسین
20جولائی	ج	خاتون	۔	شادی شدہ	عبدالحکیم گرگیج	اہل علاقہ	گوٹھ کوٹلو، میرپور ماتھیلو، گھوٹکی	درج	۔	کاوش
20جولائی	سجاد	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	مجاہد	اہل علاقہ	ماموں کانجن	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
20جولائی	م	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	کاشف	اہل علاقہ	مغل پورہ، گوجرہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
20جولائی	۔	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	مستنصر	اہل علاقہ	کسووال	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
20جولائی	ن	خاتون	۔	۔	عمران	رشتے دار	گکھڑ منڈی	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
20جولائی	ر	خاتون	۔	۔	اصغر	اہل علاقہ	پاک پتن	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
20جولائی	پ	خاتون	۔	۔	حیدر	اہل علاقہ	گاؤں کڑکن واہگہ، شاہ کوٹ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
☆21جولائی	ف	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	قاسم	اہل علاقہ	اسلامیہ کالونی، صادق آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں ملتان
21جولائی	ع	خاتون	۔	شادی شدہ	وسیم اکرم، وسیم عباس، زوار	اہل علاقہ	پنڈی بھٹیاں	۔	۔	روزنامہ خبریں
21جولائی	الف	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	نعمت آباد، رضا آباد، فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
21جولائی	۔	بچی	7برس	غیرشادی شدہ	ظہور	اہل علاقہ	بونگا حیات	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
21جولائی	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	ظہور	اہل علاقہ	گاؤں 131ای بی، پاک پتن	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
21جولائی	۔	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	احسان	اہل علاقہ	گاؤں 52ایس پی، پاک پتن	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
21جولائی	۔	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	وقاص	اہل علاقہ	نہر کالونی، پاک پتن	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
21جولائی	۔	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	محمد اکبر	اہل علاقہ	اسلامیہ کالونی، رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ پاکستان ٹائمز
21جولائی	عثمان غنی	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	۔	گھنٹہ گھر، خیبر بازار، پشاور	درج	۔	روزنامہ آج
24جولائی	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	دین محمد	اہل علاقہ	رائے ونڈ	درج	۔	روزنامہ خبریں
24جولائی	۔	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	گلبرگ، پشاور	۔	۔	ایکسپریس ٹریبیون
24جولائی	۔	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	بستی خلطی، رحیم یار خان	درج	۔	پاکستان ٹائمز
25جولائی	ز	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	ش	اہل علاقہ	مہاجر محلہ لکھی غلام شاہ، شکارپور	درج	۔	روزنامہ کاوش
25جولائی	ف	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	راشد	اہل علاقہ	کوٹ راؤ، چھانگا مانگا	۔	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
25جولائی	ارسلان	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	عاقب	اہل علاقہ	کوٹ عبدالمالک	۔	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
25جولائی	ن۔الف	خاتون	۔	۔	عمران	اہل علاقہ	چک کوریانہ، جھنگ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
25جولائی	مجیب رضا	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	اختر	اہل علاقہ	جھنگ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26جولائی	م	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	کامران	اہل علاقہ	نصیر آباد کالونی، بہاول پور	درج	گرفتار	خواجہ اسد اللہ

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
26جولائی	ن	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	سجاد	اہل علاقہ	اللہ آباد،میلسی	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
26جولائی	ع	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	مدد علی	اہل علاقہ	گاؤں ٹھٹھہ رنیرا،سیدوالا	درج	گرفتار	روزنامہ دنیا
26جولائی	ر	خاتون	ـ	ـ	رمضان	اہل علاقہ	208رب، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	ـ	خاتون	ـ	ـ	فیاض	اہل علاقہ	غریب آباد،شیخوپورہ	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
28جولائی	ـ	بچہ	ـ	غیرشادی شدہ	مظہر	اہل علاقہ	کوٹ عبدالمالک	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
28جولائی	ش	خاتون	20برس	غیرشادی شدہ	سلمان	اہل علاقہ	گاؤں 40 کے بی، ساہوکا	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
28جولائی	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	موضع چوپالیا، میکلوڈ گنج	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	موضع چوپالیا، میکلوڈ گنج	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	حبیب	مرد	12برس	غیرشادی شدہ	عمردراز	اہل علاقہ	موضع سلیانہ، جھنگ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	ش	بچی	ـ	غیرشادی شدہ	اجمل، ظہیر، وسیم، شاہ دین	اہل علاقہ	چک 368 گ ب، جھنگ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28جولائی	ع	خواجہ سرا	ـ	ـ	عمران الیاس، ساتھی	اہل علاقہ	جڑاں والا روڈ، فیصل آباد	ـ	ـ	ایکسپریس ٹریبیون
28جولائی	ص	خواجہ سرا	ـ	ـ	عمران الیاس، ساتھی	اہل علاقہ	جڑاں والا روڈ، فیصل آباد	ـ	ـ	ایکسپریس ٹریبیون
28جولائی	م	بچی	5برس	غیرشادی شدہ	علی حسن	اہل علاقہ	چک نمبر 122 ٹی ڈی اے، لیہ	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
30جولائی	ـ	خاتون	26برس	غیرشادی شدہ	حیات، ساتھی	اہل علاقہ	غازی آباد، لاہور	درج	ایک گرفتار	روزنامہ خبریں
30جولائی	م	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	فریاد	چچا	محلہ اسلام پورہ، خانقاہ ڈوگراں	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
31جولائی	ک	خاتون	ـ	ـ	منیر، یاسین، عبدالستار	اہل علاقہ	شجاع آباد	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
31جولائی	ر	خاتون	25برس	شادی شدہ	آصف	اہل علاقہ	پنگریو، بدین	درج	ـ	روزنامہ کاوش
یکم اگست	س	خاتون	35برس	شادی شدہ	انور سولنگی	سوتیلا بیٹا	ہوسٹری، حیدرآباد	ـ	ـ	روزنامہ کاوش
یکم اگست	خ	خاتون	ـ	شادی شدہ	سنی اقبال	اہل علاقہ	چک 355 گ ب، جڑاں والا	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
یکم اگست	ر۔ب	خاتون	ـ	ـ	شہباز، ساتھی	اہل علاقہ	چک 176، جھنگ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
یکم اگست	ـ	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	نواز	اہل علاقہ	چک 16 ایس پی، بونگا حیات	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
یکم اگست	ر	بچی	9برس	غیرشادی شدہ	نوید	اہل علاقہ	کہلن پلاٹ، الہ آباد	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	س	خاتون	ـ	ـ	فیاض	اہل علاقہ	ڈیرہ غریب عالم، شیخوپورہ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	ن	خاتون	ـ	ـ	ـ	اہل علاقہ	کوٹ سوہندا، شیخوپورہ	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	مزمل	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	تصور عباس	اہل علاقہ	موضع بھنگو، جھنگ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
2اگست	ک۔پ	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	میرپور خاص	ـ	ـ	روزنامہ کاوش
3اگست	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	کاشف، ثاقب	اہل علاقہ	گاؤں گھنگ، شیخوپورہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	م	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	عمران، سلامت	اہل علاقہ	تھڑیاں، شیخوپورہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
3اگست	ک	خاتون	-	غیرشادی شدہ	اقبال	اہل علاقہ	ایڈن گارڈن، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	ص	خاتون	-	شادی شدہ	دانش	اہل علاقہ	موضع گڑھ، فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	ک	خاتون	-	غیرشادی شدہ	مصطفیٰ، ساتھی	اہل علاقہ	محلّہ کرم پورہ، رینالہ خورد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
3اگست	ش	بچی	5برس	غیرشادی شدہ	اسد بچایا	اہل علاقہ	جام پور	درج	-	روزنامہ خبریں ملتان
4اگست	ر	خاتون	-	-	امید علی پتافی	اہل علاقہ	دادلغاری، میرپور ماتھیلو، گھوٹکی	-	-	روزنامہ کاوش
4اگست	سعید	مرد	24برس	غیرشادی شدہ	اکرم میو	اہل علاقہ	کہروڑپکا	درج	-	روزنامہ خبریں ملتان
5اگست	حسنین عارف	بچہ	3برس	غیرشادی شدہ	احتشام	اہل علاقہ	چک 41 مرڑ، سانگلا ہل	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
5اگست	ث	خاتون	-	شادی شدہ	اسلم، ساتھی	اہل علاقہ	جھنگ بازار، فیصل آباد	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
5اگست	الف	خاتون	-	شادی شدہ	عبدالغفار	اہل علاقہ	پکا سدھار، پاک پتن	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
5اگست	ر-ب	خاتون	-	غیرشادی شدہ	رضوان	اہل علاقہ	صادق آباد، راول پنڈی	-	گرفتار	روزنامہ نیشن
6اگست	عاشر	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	عابد	اہل علاقہ	چک 45 گ ب، فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
6اگست	سمیع اللہ	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	ظہیر	اہل علاقہ	چک 106 گ ب، فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
6اگست	جمال	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	منصور	اہل علاقہ	پسرور	-	-	روزنامہ نوائے وقت
9اگست	-	خاتون	25برس	-	-	-	سندر، لاہور	درج	-	روزنامہ خبریں
9اگست	ر	خاتون	-	-	اقبال، عثمان، ساتھی	اہل علاقہ	چھبیل پورہ، ڈسکہ	-	-	روزنامہ نیوز
9اگست	-	خاتون	-	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	چک 6/4 ایل، اوکاڑہ	درج	-	روزنامہ ڈان
9اگست	احسن رضا	مرد	-	غیرشادی شدہ	شفقت، عامر، شہزاد	اہل علاقہ	چک 79 اے، کروڑ لعل عیدن	درج	-	روزنامہ خبریں ملتان
9اگست	س	خاتون	-	شادی شدہ	-	رشتے دار	کوٹ ڈیجی، خیرپور	-	-	روزنامہ کاوش
9اگست	س	خاتون	-	شادی شدہ	-	دیور	کوٹ ڈیجی، خیرپور میرس	-	-	روزنامہ کاوش
10اگست	عبدالاحد بلوچ	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	نعمان، جنان، بلال، اویس	-	چاہ پیپل والا، ڈی آئی خان	درج	گرفتار	روزنامہ ایکسپریس
10اگست	س	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	رفیق احمد کوندھر	اہل علاقہ	گوٹھ اللہ وسایو انڑ، خان واہن، نوشہرو فیروز	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
11اگست	تجشم	بچہ	4برس	غیرشادی شدہ	محسن	اہل علاقہ	اعوان سٹریٹ، ڈی آئی خان	درج	-	روزنامہ ایکسپریس
11اگست	ش	خاتون	35برس	شادی شدہ	-	-	چرڑ گاؤں، ڈیفنس، لاہور	-	-	روزنامہ نوائے وقت
11اگست	-	خاتون	-	-	محمد احمد	اہل علاقہ	چک امیرا آہلوکا، پاک پتن	درج	-	روزنامہ ایکسپریس
11اگست	عبدالرحمان	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	رفاقت	اہل علاقہ	چک 39 گ ب، فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
11اگست	-	خاتون	-	-	طارق	اہل علاقہ	بستی تاہڑ، حاصل پور	-	-	روزنامہ نوائے وقت
11اگست	-	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	علی شیر	اہل علاقہ	غازی آباد	-	-	روزنامہ ایکسپریس
11اگست	ش	خاتون	-	غیرشادی شدہ	عامر	اہل علاقہ	ترنڈہ محمد پناہ	درج	-	روزنامہ خبریں ملتان

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
12اگست	ص	خاتون	ـ	ـ	قاسم	اہل علاقہ	لودھراں	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
13اگست	ـ	خاتون	22برس	غیرشادی شدہ	اجتماعی خان، کیزاری خان	ـ	سانگھڑ	درج	گرفتار	روزنامہ ایکسپریس ٹریبیون
13اگست	ـ	خاتون	25برس	ـ	بلال، اعجاز	اہل علاقہ	کاہنہ، لاہور	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
13اگست	ح	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	محسن	اہل علاقہ	جھوک جندو، میلسی	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
13اگست	ت	خاتون	ـ	ـ	سرفراز	اہل علاقہ	موضع جھنڈہ چڑھر، قائم پور	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
15اگست	ک	خاتون	ـ	شادی شدہ	خضر احمد	اہل علاقہ	بستی احمد آباد، خیر پور ٹامے والی، بہاول پور	درج	ـ	خواجہ اسداللہ
15اگست	ابتسام	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	عرفان	اہل علاقہ	کینیڈا کالونی، ننکانہ صاحب	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اگست	ز	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	خورشید احمد	اہل علاقہ	پٹھان کالونی، فیروز والا	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اگست	ر	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	فیصل، اشتیاق، قیصر	اہل علاقہ	بھکھی، شیخوپورہ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اگست	ع	خاتون	ـ	ـ	جعفر	اہل علاقہ	گاؤں نودھا، شاہ کوٹ	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اگست	ب	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	بشارت	اہل علاقہ	111 ڈی این بی، یزمان، بہاول پور	درج	ـ	خواجہ اسداللہ
15اگست	س	خاتون	40برس	شادی شدہ	سلیمان، معشوق، نادر	اہل علاقہ	گوٹھ مہیر علی لاشاری، رتو دیرو، لاڑکانہ	ـ	ـ	روزنامہ کاوش
16اگست	م	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	مہراللہ	اہل علاقہ	رسالپور، مردان	درج	گرفتار	روزنامہ آج
17اگست	ب	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	فیاض، سجاد	اہل علاقہ	بستی چاہ گونگروواہ، قائم پور	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
17اگست	ـ	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	لکی غلام شاہ، شکارپور	ـ	گرفتار	روزنامہ کاوش
17اگست	ر	خاتون	ـ	ـ	غلام سرور جمالی	اہل علاقہ	قمبر	درج	ـ	روزنامہ کاوش
18اگست	م	خاتون	ـ	ـ	اسحاق	اہل علاقہ	67ڈی، پاک پتن	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
18اگست	ن	خاتون	ـ	شادی شدہ	شہاب الدین	اہل علاقہ	موضع سردار گڑھ، رکن پور	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
19اگست	ـ	خاتون	ـ	ـ	عمران	اہل علاقہ	میاں کالونی، فیروز والا	درج	ـ	روزنامہ جنگ
20اگست	ط	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	عبداللہ، شاہد، سیف اللہ	اہل علاقہ	میاں چنوں	ـ	ـ	روزنامہ نئی بات
20اگست	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	عبداللہ، شاہد، سیف اللہ	اہل علاقہ	میاں چنوں	ـ	ـ	روزنامہ نئی بات
20اگست	طیب	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	کوٹلہ باقر شاہ، مبارک پور، بہاول پور	درج	گرفتار	خواجہ اسداللہ
20اگست	الف۔م	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	مصری شاہ، جیرام، ریلو، ویرو	اہل علاقہ	چھاچھرو، تھرپارکر	درج	ـ	روزنامہ کاوش
20اگست	ج۔ع	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	میوٴ میگھواڑ	ـ	کنری، عمرکوٹ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
21اگست	ک	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	ـ	ـ	گاؤں غلام محمد ہالیپوٹو، کھپرو، سانگھڑ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
21اگست	انس	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	انضمام الحق، یاسر علی	اہل علاقہ	بھٹہ کالونی، رحیم یار خان	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
21اگست	د۔ح	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	اجمل سیال	اہل علاقہ	چک 560ٹی ڈی اے، کوٹ ادو	درج	ـ	روزنامہ خبریں ملتان
22اگست	خ	بچی	8برس	غیرشادی شدہ	چودھری انور	اہل علاقہ	چترال	درج	ـ	روزنامہ آج
22اگست	ش	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	طاہر، وسیم	ـ	لوند خوڑ، مردان	درج	گرفتار	روزنامہ ایکسپریس

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

سوئی گیس فراہم کی جائے

پاکپتن ملکہ ہانس ضلع پاکپتن کا سب سے بڑا قصبہ ہے جس کی آبادی تقریباً چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہے مگر اس بڑھتے ہوئے قصبے میں سوئی گیس کی سپلائی نہیں ہے۔ ہر الیکشن میں ایم پی اے، ایم این اے آتے ہیں، سوئی گیس دلوانے کا وعدہ کر کے چلے جاتے ہیں مگر جیت کر دوبارہ واپس نہیں آتے۔ اس لیے اس قصبہ کی خواتین کا پرزور مطالبہ ہے کہ ان کو سوئی گیس کی سپلائی دی جائے تاکہ وہ لکڑیوں کی آگ سے پیدا ہونے والے دھویں اور اس سے پیدا ہونے والے امراض سے بچ سکیں۔

(غلام نبی)

نابینا افراد کا اپنے حق میں مظاہرہ

پاکپتن حکومت پنجاب کی جانب سے ضلع پاکپتن میں محکمہ سوشل ویلفیئر اور محکمہ ایجوکیشن میں بھرتی کئے گئے نابینا افراد نے اپنے مطالبات کے حق کے لیے ڈی سی او آفس کے باہر احتجاجی دھرنا دیا کہ ان کو مکمل تنخواہ دی جائے اور اس کے علاوہ سکیل کے حساب سے دیگر الاؤنس بھی دیئے جائیں تاکہ ان کو ان کا حق مل سکے ورنہ ان کا احتجاج جاری رہے گا۔

(غلان نبی)

غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ

چمن چمن میں بجلی کی غیر اعلانیہ اور طویل لوڈ شیڈنگ نے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔ طویل پٹی پر واقع تجارتی کاروباری اور اہمیت کا حامل شہر چمن قدرتی سوئی گیس کی سہولت سے پہلے سے ہی محروم ہے جو کہ متبادل ایندھن کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ لوگوں کا سارا دارومدار بجلی پر ہے لیکن ان سے یہ سہولت بھی چھین لی گئی ہے۔ ضلع قلعہ عبداللہ کی باقی تین تحصیلوں گلستان، قلعہ عبداللہ اور دوبندی علاقے جو کہ زراعت کے سرچشمے ہیں۔ ان کے میوہ جات اور سبزیاں ملک کے دیگر حصوں میں منتقل کئے جاتے ہیں۔ لیکن بجلی نہ ہونے سے لوگوں نے اپنے باغات کو پانی دینے کے لیے جنریٹرز، شمسی توانائی اور دیگر ذرائع سے پانی کا حصول شروع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے سبزیوں اور دیگر کاشتکاری کی قیمت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جو غریب عوام کے دسترس سے باہر ہو رہے ہیں عوام نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کم کرے۔

(محمد صدیق)

لوڈ شیڈنگ کے خلاف مظاہرہ

پاکپتن ملکہ ہانس میں طویل غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ کے خلاف خواتین نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو پانی دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ اس وجہ سے خواتین بچوں اور مردوں نے ملکہ ہانس میں واپڈا کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ خواتین نے ہاتھوں میں پانی والے خالی برتن بھی اٹھا رکھے تھے۔ ایس ڈی او کی یقین دہانی کے بعد خواتین نے احتجاج ختم کر دیا۔

(غلام نبی)

سکول کی چاردیواری کی تعمیر کا مطالبہ

اوکاڑہ اوکاڑہ کے نواحی قصبہ تھری جی ڈی میں واقع گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول کی چاردیواری موجود نہیں ہے۔ اس صورتحال کی وجہ سے سکول میں زیر تعلیم طالبات اور اساتذہ کو سکیورٹی خدشات کا سامنا ہے۔ سکول میں موجود ضروری سامان کرسیاں اور ڈیسک بھی محفوظ نہیں ہیں۔ مقامی شہریوں نے مذکورہ سکول کی چاردیواری کی تعمیر کے لیے محکمہ تعلیم کو متعدد درخواستیں دی ہیں۔ تاہم کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔ مقامی شہریوں نے ڈی سی او اوکاڑہ سے گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول قصبہ تھری جی ڈی کی چاردیواری کی فوری مرمت کا مطالبہ کیا ہے۔ مقامی شہری محمد امجد نے بتایا کہ ان کے قصبہ میں واقع گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول تھری جی ڈی میں چاردیواری موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے طالبات اور اساتذہ سکیورٹی خدشات کا شکار ہیں۔ ہیڈ مسٹریس پرائمری سکول مذکورہ عفت رسول نے بتایا کہ انہوں نے مذکورہ سکول کی چاردیواری کی تعمیر کے لیے متعدد بار خطوط اعلیٰ حکام کو بھجوائے تاہم کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔

(اصغر حسین حماد)

طبی سہولیات کے فقدان کے خلاف مظاہرہ

ٹنڈوالہیار 22 اگست کو ٹنڈو الہیار کے شہریوں نے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں طبی سہولیات کی قلت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور لوگوں کو صحت کی سہولیات کی فراہمی میں ریاستی ناکامی کی مذمت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ مذکورہ ہسپتال میں ڈاکٹرز، ادویات اور طبی آلات کی کمی ہے مگر حکام بالا اس مسئلے کا نوٹس نہیں لے رہے۔ غریب افراد نجی ہسپتالوں سے علاج نہیں کروا سکتے۔ اس لیے سرکاری ہسپتال میں تمام سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

(سرون کمار)

مزدور خاندان پر تشدد

عمرکوٹ 24 جولائی کو سامارو شہر کے قریب چھتہ مائنز کے کنارے سرکاری اراضی پر گھر بنا کر بیٹھے ہوئے غریب مزدور شاموں کولہی نے بتایا کہ وہ گزشتہ پچاس برسوں سے مذکورہ اراضی پر گھر بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود آس پاس کے علاقوں کے کچھ بااثر افراد مسلسل وہاں سے بیدخل کرنے کے لیے کئی عرصہ سے دھمکیاں دے رہے تھے۔ 24 تاریخ کو بااثر افراد نے حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس کی بیوی رانی ڈنڈے، لاتیں اور مکے لگنے کی وجہ سے زخمی ہوگئیں۔ اس کے کپڑے بھی پھٹ گئے۔ ہم سب متاثرین تھانے پہنچے تو سامارو پولیس نے علاج کرانے کا خط دے کر روانہ کر دیا۔ اس نے مزید کہا کہ گھر پر حملے کے دوران اس کے 17 سالہ بیٹے فریش پر بھی تشدد کیا گیا جو کہ خوف کی وجہ سے گھر سے بھاگ نکلا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہم پر تشدد کرنے والے بااثر افراد کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

(اوکھومنروپ)

Massacre of Quetta lawyers & state responsibility

The August 8 massacre of lawyers in Quetta is something that cannot be condemned strongly enough. Violence of the most horrific nature has been no stranger to the capital of the Balochistan province. This coordinated attack, however, which took a direct aim at the legal fraternity, has shaken the region which has long suffered the most vicious terrorist attacks.

Most of the victims in the August 8 attacks were lawyers. First, Balochistan Bar Association President Bilal Anwar Kasi was shot and killed outside his house. When his body was brought to Quetta's Civil Hospital, an explosion, caused apparently by a suicide bomber, hit the mourning lawyers. More than 70 people were killed, most of them lawyers. Two media workers were killed and some injured.

The devastating attack was the single most deadly assault ever on lawyers in Pakistan, or anywhere in the world for that matter. It drew condemnation from far and wide.

In another attack, on August 11, Federal Shariat Court (FSC) Judge Zahoor Shawani and his security detail were targeted in an explosion in Quetta. The FSC judge escaped injury but over a dozen people, including police personnel and civilians were injured. The attack was seen as continuation of tagetting of the legal fraternity in Quetta and as a further reminder of their vulnerability.

HRCP has publicly voiced its serious alarm and concern that amid the prevailing fear of violence among lawyers and judges in the provincial capital of Balochistan, it has become difficult for them to carry out their functions independently, or even to move around.

An important part of the state obligation is to conduct a thorough and transparent investigation into the attacks with a view to bring the perpetrators to justice.

This mowing down of lawyers has trained the spotlight firmly on the state's obligation to protect the lives of citizens. They have brought attention to the need to ensure security for members of the bar and the bench, which is vital for the functioning of an independent legal profession and for rule of law itself. The attack against Justice Shahwani has been noted as being particularly alarming, since it occurred amid an apparently heightened state of security. Without urgent steps for the security of lawyers and judicial officers it is difficult to see how they will be able to fulfill their functions independently and without pressure.

An important part of the state obligation is to conduct a thorough and transparent investigation into the attacks with a view to bring the perpetrators of this heinous crime to justice.

HRCP has stressed that "official condemnation of the August 8 massacre in Quetta or calling it the work of a foreign intelligence agency is not enough. The state has the responsibility to safeguard the lives of all citizens from all actors who have an appetite for bloodletting."

The government should also explain how it plans to ensure that its counter-terrorism plan, whatever that is, actually prevents terrorism. In a statement, HRCP has urged the government to particularly "focus on security of citizens in Balochistan, where signs of some let up in violence over recent months had fuelled hopes, apparently prematurely, for a return to normalcy."

The consultations focused on implementation of accepted recommendations in five thematic areas: women's rights; rights of the child; freedom of thought, conscience and religion; human rights defenders and freedom of expression; and enforced and involuntary disappearances. Based on the deliberations in the five consultations, a mid-term implementation report was prepared. The report was widely shared with the government, foreign missions, media houses, public intellectuals and the civil society organisations that participated in the five consultations.

The HRCP-ICJ assessment concluded that the government's performance in fulfilling its commitments made during the 2012-2013 UPR in around two and a half years after had been far from satisfactory. Out of the 67 accepted recommendations reviewed in the five consultations, 38 recommendations – a large majority – had not been implemented at all; 29 recommendations had only been partially implemented; and not a single recommendation had been fully implemented. In some areas, particularly relating to enforced disappearance and the safety and security of human rights defenders, the situation had in fact deteriorated since Pakistan was issued the recommendations in 2012.

The way forward

In order to prepare for Pakistan's third UPR, the Human Rights Commission of Pakistan has started reaching out to civil society organisations, and has in collaboration with the International Commission of Jurists, started training activists and representatives of civil society organizations about the role of non-government organizations (NGOs) in the UPR process and the best practices in drafting NGO submission.

Roadmap for Pakistan's UPR engagement in the third cycle

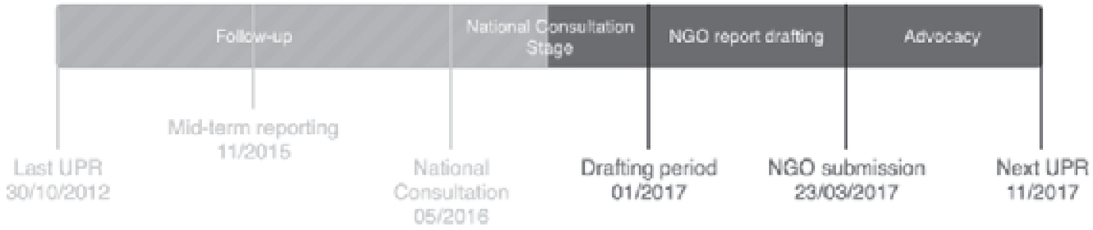

Source: http://www.upr-info.org/en/review/Pakistan

Pakistan now has a National Commission of Human Rights (NCHR) as well and even if the institution does not meet all the requirements under the Paris Principles it would serve as a test of its engagement with the government and the civil society organizations for the UPR process. NCHR is an autonomous body and can play a vital role in holding the authorities accountable for the pace and extent of implementation of accepted recommendations.

The role of civil society organizations is no less important. They cannot and must not be content with merely blaming the government for a lack of implementation of the recommendations. They must actively engage with the UPR process, giving credit where it is due and enumerating the areas where the government has made improvement while also highlighting areas that need to be looked at.

The Human Rights Commission of Pakistan is striving to facilitate consultation among civil society organizations to discuss the focus and composition of submissions, with a view to ensure that effective NGO reports are submitted that appropriately reflect the human rights situation in the country.

As innovative as the UPR might be as a mechanism to promote and defend human rights, it can only serve the purpose if the government's attention and energies are focused on improving the human right situation in the country instead of merely striving to come up with excuses and ploys to save face in the next UPR cycle.

The universal aspect
The UPR provides an invaluable opportunity for states to reflect and report on the situation of human rights in the country in a holistic manner, with respect to all international conventions the state has signed. The process is also universal in the sense that all 193 member states of the UN are reviewed without exception. The review is periodic and recurring and each state undergoes the review every four years.

In comparison to the first UPR of Pakistan (2008), the second one (2012) was discussed and debated much more across the country and beyond and 22 individual and 15 joint submissions were made.

Ingredients of the review
1. A 20-page national report prepared by the State concerned on the human rights situation in the country.
2. A 10-page compilation of prepared by the Office of the High Commissioner on Human Rights (OHCHR), containing information from treaty bodies, special procedures and UN agencies.
3. A 10-page summary prepared by the OHCHR containing information from the civil society.

The recommendations
On March 14th, 2013, in the 22nd HRC Session Pakistan's report was considered and adopted. The report adopted by the UPR Working Group (called the outcome document) contained details of the recommendations accepted, noted and rejected by Pakistan. Pakistan received 167 recommendations by various States during its review, out of which the government of Pakistan rejected one recommendation relating to the repeal of the blasphemy law and agreed to respond on the remaining 165. During the adoption of the UPR report, Pakistan in its statement said that out of 165 recommendations, 126 enjoyed the support of the government and out of these 73 had either been implemented or were in the process of implementation.

There were six other recommendations that Pakistan subsequently rejected, which relate to some of the most serious human rights violations in the country. These included adopting an official moratorium on the death penalty with a view to abolishing capital punishment in law and practice and repealing blasphemy laws. Of the total 165 recommendations, 34 recommendations were noted which meant that Pakistan was considering how to proceed with regard to those. It has not subsequently communicated either in Pakistan or before the UN its stance on these 34 recommendations.

Several recommendations accepted by Pakistan were vaguely worded or were not action-based, which meant that there would either not be much action pursuant to those or such action would be difficult to effectively monitor.

Mid-term implementation assessment
Over a six-month period during 2015, Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) organized, in collaboration with the International Commission of Jurists (ICJ), five consultations with civil society organizations, lawyers and human rights activists from all parts of Pakistan. The objective was to assess mid-term implementation of the recommendations that Pakistan received and accepted during its second UPR in October 2012.

The UPR process

Promises and potential

Thanks to a flurry of signing and ratification of international rights treaties around 2010, Pakistan is today a state party to almost all key UN human rights instruments. However, being a party does not magically lead to implementation of human rights in a state. Besides struggling with implementation, Pakistan has, over the years, consistently failed to submit the required periodic reports to the committees established under various human rights instruments that Pakistan is a party to.

Universal and periodic

In the general context of delayed report submissions, the Universal Periodic Review (UPR) process of the United Nations offers an invaluable mechanism to assess implementation of the international human rights mechanisms in Pakistan.

UPR is a mechanism of the United Nations Human Rights Council (HRC), which aims to improve the human rights situation in each of the 193 UN member countries. The UN General Assembly established the Human Rights Council in 2006 to replace the existing Human Rights Commission and tasked the HRC to undertake a UPR of "the fulfilment by each state of its human rights obligations and commitments in a manner which ensures universality of coverage and equal treatment with respect to all states". Since its inception in 2008, all 193 UN member states have participated in the UPR, which has resulted in the creation of a unique mechanism in which UN member states can make recommendations to fellow states on how to improve their human rights performance.

Pakistan under review

Pakistan has been reviewed twice under the process, the second UPR occurring in late 2012.

In 2013, Pakistan accepted 126 of the 167 recommendations made by various states during its second UPR at the Human Rights Council, promising not just its citizens but also the international community that it will take effective steps for the promotion and protection of human rights. Three years later, when the deadline for submissions for Pakistan's third review under the UPR process is just around the corner, lack of progress and an ineffective implementation plan regarding the accepted recommendations calls into question the government's commitment to human rights as well as the effectiveness of whatever strategy it has to ensure their implementation.

Civil society organisations have expressed a range of disappointments over the manner in which Pakistan has proceeded after its second UPR. They have faulted the government for not making public steps that it has taken or intends to take in order to fulfil its promises under the UPR. They have also decried lack of a concrete and comprehensive action plan to implement the accepted recommendations.

Steps in the UPR process

- preparation of documentation, including a national report by the state, a summary of NGO reports, and information on engagement and compliance with UN-related human rights commitments;
- assessment of national report and preparation of recommendations by recommending states;
- review of the state under review (SuR) in the UPR working group;
- compilation of a document containing recommendations by states and voluntary commitments by the SuR;
- preliminary adoption of the report by the HRC; and
- final adoption of the document during a plenary session of the HRC.

Ahead of the 2015 general elections also, a jirga in Diamer had barred women from casting their votes. Human rights organisations had expressed their concerns regarding disenfranchising women in the region.

Residents said that in late April 2015 also, ahead of the June 8, 2015, general elections to the legislative assembly, a decision was made by the local clergy and political leaders to stop 30,000 female voters of Diamer district from polling their votes.

A committee consisting of local clergy and representatives of contesting political parties declared the female vote 'illicit'. The decision was highly criticized by the civil society and highlighted by the media. Because of the outrage and condemnation by different segments of society the election commission took notice of the matter and issued orders to register a criminal case against members of committee. The election commission also warned them to withdraw the decision.

The local administration later made arrangements and established polling stations for women. But on the polling day, the turnout was very low, particularly in GBLA-17 (Darel) and GBLA-18 (Tangeer), where the percentage of women voters who cast their ballots remained in single digits.

The residents have reported that the July 2016 decision to bar women voting was kept concealed for fear of legal action by the ECGB, as had been the case in the June 2015 general elections. The residents have stated in their interviews that that was why the clerics and the political parties had not opposed the administration establishing the polling stations for women. This was a ploy, they said, to not invite any censure from the election commission.

As it was, only a very small number of women were able to visit the polling stations in GBLA-17 to cast their votes on July 12, 2016.

The latest obstacle to women voting in the by-election in Diamer has solidified the long-held illegal practice of disenfranchising women there.

The residents said that while clerics and politicians might prefer to keep women disenfranchised for expediency or petty political gains, it is important for the civil society to consistently highlight and condemn the practice. In the end, it was for the state to demonstrate through its actions the degree of importance it attaches to women having a say in matters of governance and democracy.

Unless the authorities, particularly the election commission, proceed to declare null and void any election where any organised effort seeks to keep women away from voting, the actors that form alliances to keep women outside the democratic process might only feel more confident in proceeding in the manner that they have in the past.

The latest obstacle to women voting in the by-election in Diamer has solidified the long-held practice of disenfranchising women there.

GB women disenfranchised yet again

The main claim to fame for Diamer district in Gilgit Baltistan is its scenic beauty, which has put it firmly on the tourist map. It has, unfortunately, also become known for some reprehensible instances of violence, particularly against women.

It was here a few years earlier that two young girls and their mother were brutally murdered in a so-called honour crime because a video showing them enjoying the rain at their house had been circulated through mobile phone sharing in the area. The video had eventually come to the knowledge of the girls' stepbrother.

It was in Diamer late last year that only one woman applied for the four vacancies of female constables in the police department of Diamer district, as women were not allowed by their families to do so. The only candidate who applied for the post was not permitted by her husband to have her medical test, a prerequisite for the post. She was therefore not considered eligible for the post.

Women in Diamer have found it difficult to have a say not only in terms of their immediate rights but also in terms of matters of governance. This remote region was in the spotlight once again when, in a by-election in a constituency for the Gilgit Baltistan Legislative Assembly (GBLA), in July women were barred from voting. This happened after apparent collusion and consensus among clerics and political leaders.

The by-election for GBLA-18 constituency (Tangeer) in district Diamer was held on July 12, after the representative elected from there in the general election a year earlier died. The total number of registered voters in the constituency was 15,645. These included 6,000 registered women voters.

The Election Commission of Gilgit Baltistan (ECGB) had established a total of 26 polling stations in the constituency. Twelve out of these polling stations were set up for women voters. But on the polling day, only a few female voters came to the polling stations. The overwhelming majority of women did not even venture outside their homes.

On July 12, 2016, the polling day, only a few women came to the polling stations. The overwhelming majority did not even venture outside their homes.

Interviews with residents in the constituency indicate that the local clergy and representatives of all contesting political parties had reached an agreement to prevent the women from polling their votes. The cleric-politician alliance urged men to stop women in their families from leaving their homes on the day of polling so that they could be kept from visiting the polling stations. The clerics advocated that women's voting was against the tenants of Islam and it was important to prevent them from casting their ballots.

The HRCP special task force in Hyderabad held a demonstration outside the local press club. Civil society representatives at the demonstration demanded that the government must take all steps to put an end to enforced disappearance and ensure safe recovery of the 'disappeared'.
Activists, journalists, lawyers and teachers in Multan walked from Nawan Shehr Chowk to the Multan Press Club holding placards. They stressed that the government must take note of the monthly reports of the Commission of Inquiry on Enforced Disappearances and address the need to confront the serious human rights crisis that the continuing disappearance represented. They said the government must help alleviate the suffering of the families of victims of disappearance.

The continuing prevalence of enforced disappearance is a matter of grave concern because this practice, which has increased over the years, suggests that at some level they are seen as acceptable and perhaps also as a preferred mode of dealing with some individuals. It is very important to highlight the illegality of such actions so that further steps could be taken to curb this practice. Exempting those who are involved in this human rights violation means that Pakistan is far from putting an end to enforced disappearance.

The following table shows district-wise breakdown of enforced disappearance reported by HRCP monitors from selected districts across six regions over the first seven months of 2016.

Enforced disappearance in selected districts across six regions (Jan-Jul 2016)

Balochistan								
District/Month	Jan	Feb	March	April	May	June	July	Total
Gwadar	0	1	1	0	0	0	0	2
Kharan	1	0	1	0	0	0	0	2
Loralai	0	0	0	1	1	0	0	2
Mastung	0	1	0	0	0	1	0	2
Noshki	0	1	1	0	1	1	0	4
Punjgoor	0	1	0	0	0	0	0	1
Turbat Kech	0	0	0	2	1	1	0	4
Washuk	0	0	0	1	0	0	0	1
TOTAL	1	4	3	4	3	3	0	18
Sindh								
District/Month	Jan	Feb	March	April	May	June	July	Total
Dadu	0	0	0	1	0	0	0	1
Jamshoro	0	1	0	0	0	0	1	2
Larkana	1	1	0	1	2	0	0	5
Naushero Feroz	0	0	0	1	0	0	0	1
Nawabshah	0	0	0	0	0	1	0	1
Sukkur	0	1	0	0	0	0	1	2
TOTAL	1	3	0	3	2	1	2	12
Khyber Pakhtunkhwa								
District/Month	Jan	Feb	March	April	May	June	July	Total
Buner	0	1	0	0	1	0	0	2
Peshawar	3	1	0	0	0	0	0	4
Shangla	0	0	0	1	0	0	0	1
Swabi	1	1	0	0	0	0	0	2
TOTAL	4	3	0	1	1	0	0	9
FATA								
District/Month	Jan	Feb	March	April	May	June	July	Total
Mohmand	0	0	0	0	1	1	0	2
North Waziristan	0	0	1	1	1	1	0	4
TOTAL	0	0	1	1	2	2	0	6
TOTAL								45

- On July 26, a social activist, Abdul Wahid Baloch, was allegedly picked up by two men in plain clothes. He was travelling, along with a friend, in a passenger van to Karachi from Digri Town in Mirpurkhas district, when two men stopped the van. They checked everyone's identity cards and according to the family, upon looking at Abdul Wahid's identity card, asked him to show them his phone. After examining his phone, they asked him to step out of the vehicle. Abdul Wahid's friend saw the victim being taken away in a blue vehicle. The victim is a social activist. HRCP demanded his immediate release.

A protest march in Multan.

A Commission of Inquiry on Enforced Disappearances (CIED), established in 2010 to investigate cases, identify perpetrators and compensate the aggrieved, operates with limited power and its orders are not complied with. Generally, people express their lack of trust in the commission of inquiry as an avenue for redress of the cases.

The UN Working Group on Enforced and Involuntary Disappearances (WGEID), which carried a fact-finding mission in Pakistan in 2012, has made a host of recommendations to the government on how to curb this menace. The WGEID made the following recommendations:

- Inclusion of a new and autonomous crime of enforced disappearance in the Pakistan Penal Code that guarantees that anyone deprived of liberty shall be held at an authorized place of detention and promptly produced before a judicial authority;
- Enlargement of the commission of enquiry and training for the intelligence and law-enforcing agencies;
- Protection of witnesses and victims' families;
- Financial aid to victims' families, specially women and children, and a programme of integral reparation; and
- Ratification of the Convention for the Protection of All Persons against Enforced Disappearances and recognition of the competence of the committee under the convention to consider complaints.

None of these recommendations have been complied with. Instead, the government has passed laws contrary to human rights standards and in contradiction with the fundamental rights promised under the Constitution and international human rights treaties. Pakistan has promulgated two distinct laws, Protection of Pakistan Act of 2014 and Action in Aid of Civil Power Regulation Act of 2011, which provide legal cover to the practice of enforced disappearances.

The United Nations General Assembly has repeatedly described enforced disappearance as an offence to human dignity and declared August 30 the International Day of the Victims of Enforced Disappearances. HRCP volunteers and offices held demonstrations in different cities on the day, urging the government to designate enforced disappearance as a specific crime and ratify the UN convention against enforced disappearances.

In Lahore, lawyers and activists gathered outside the local press club and raised slogans demanding an end to disappearance this heinous crime. Renowned rights activist and lawyer Hina Jilani, who also joined the demonstration, said it was exceptionally shameful that the state had now resorted to picking up women. She was referring to Zeenat Shahzadi, a journalist and activist, who has been missing for a year.

Senator Farhatullah Babar of the Pakistan People's Party and former senator Afrasiab Khattak of the Awami National Party were among the participants that joined the HRCP demonstration in Islamabad outside National Press Club. The parliamentarians present vowed to raise the enforced disappearance issue within their political parties and in the parliament. A prominent activist, Amina Janjua, who heads the Defence of Human Rights Organization, also joined the demonstration.

home around 2 am when 15 armed men, accompanied by four men in paramilitary uniforms, raided his home. They came in Toyota Vigo trucks and were carrying assault rifles. The family of the victim had witnessed the incident and approached the SHO Gwadar to inquire about their son. The police said the matter did not fall in their jurisdiction.

Demonstration in Lahore on August 30.

- On June 10, two men were picked up around 11 pm in Noshki, by more than 20 men, some of them dressed in civilian clothes and others in FC uniforms. The families contacted the district's deputy commissioner who said that he had been picked up over suspicion of working for Afghan security agencies. Witnesses reported that the men came in Toyota Vigo trucks with tinted windows and were carrying assault rifles. The victims were travelling to the city in a car when the armed personnel ordered them to stop. Upon their refusal, the personnel opened fire and burst the tyres of the vehicle. The two victims were taken to an unidentified location for investigation. The deputy commissioner also informed the victims' families that the government was conducting a joint investigation.

Demonstration in Islamabad.

- On June 12, a man was picked up by security forces from the area of Khani Khel, in Bannu, where he was living as a displaced person for the last two years. He was picked up around 4 pm from his house on suspicion of having links with terrorists. The family reported that the security forces came in a Datsun vehicle, clad in military uniforms. The family did not inquire about the victim from the authorities due to fear that the authorities would harm him. No case had been registered with the police and the victim was still missing.

The non-magical disappearing act

South Asia has among the highest number of alleged victims of enforced disappearance in the world. This serious rights violation occurs in all states in this region. Enforced or involuntary disappearance has become a nationwide problem in Pakistan.

Under international law, an enforced disappearance is the arrest, abduction or detention by State agents, or by people acting with the authorization, support or acquiescence of the State, followed by a refusal to acknowledge the detention or by concealing the fate or whereabouts of the "disappeared" person which places the person outside the protection of the law.

Enforced disappearance flies in the face of the state-citizen relationship where the state is under an obligation to protect the citizen's life, liberty and other rights. In the case of disappearance, however, the state becomes a violator itself. Besides the impact on the 'disappeared' person, her or his family also faces tremendous pain and suffering and the added torture of not knowing what has happened to the victim.

Enforced disappearance cases have most frequently been reported from Khyber Pakhtunkhwa and Balochistan over the years. However, in the last few years, instances of individuals being 'disappeared' from Sindh have also started emerging.

The Supreme Court has heard petitions regarding enforced disappearance since late 2006. The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has been a petitioner before the court, representing hundreds of 'disappeared' persons. Although many people have been released, not a single perpetrator has been held accountable for 'disappearing' citizens. Many cases still remain pending in higher courts or with an inquiry commission established by the government. Media coverage and reports submitted by HRCP field monitors indicate that disappearance incidents are occurring in all parts of the country.

The following chart shows the number of enforced disappearance cases reported in the first seven months of 2016 by HRCP monitors in 60 districts across six regions in Pakistan.

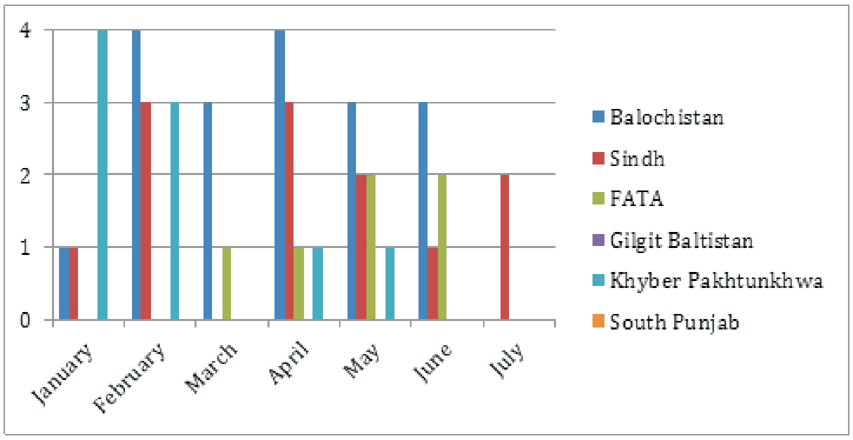

In the seven months under review, a total of 45 cases of enforced disappearance incidents were reported - 18 from Balochistan, 12 from Sindh, nine from Khyber Pakhtunkhwa and six from Federally Administered Tribal Areas. No cases were reported from Gilgit Baltistan and South Punjab during these seven months.Some emblematic cases are as follows:

- On May 6, Sono Khan Buledi and his two sons (Hussain Buledi and Asghar Buledi) were picked up in Jamshoro district of Sindh, by at least six personnel of the Kotri police. The only apparent reason for their abduction was their reported affiliation with the nationalist party Jeay Sindh Qaumi Mahaz (JSQM). The policemen, some in uniform and others in plain clothes, came to the victims' house in a police patrol vehicle around 9 pm. According to the information collected from the family and media, the police harassed the family members before they took away Sono and his two sons. The place of their confinement was unknown and the victims remained missing.
- On March 20, a 25-year-old man, Bashir, was picked up in Gwadar, by armed men wearing FC uniform over his suspected involvement in criminal activities. Bashir was sleeping at his

Universal Declaration of Human Rights made simple

This page includes a simplified version of the text of Universal Declaration of Human Rights (UDHR). None of the 30 rights enumerated in the UDHR have precedence over each other, that is to say that they are all equal to each other. The states have an obligation to protect and promote all these rights.
The Declaration affirms the dignity and worth of all people, and the equal rights of women and men. The human rights described here are the common standard for all people everywhere.

Article 1 Everyone is born free and equal in dignity and with rights.

Article 2 You should never be discriminated against for any reason. Rights belong to all people, whatever our differences.

Article 3 Everyone has the rights to life, liberty and security.

Article 4 No one shall be held in slavery or servitude.

Article 5 No one shall be subjected to torture or to cruel, inhuman or degrading treatment or punishment.

Article 6 You have the right to be treated as a person in the eyes of the law.

Article 7 You have the right to be treated by the law in the same way as everyone else. Everyone has a right to protection against violations of their human rights.

Article 8 If your rights under law are violated, you have the right to see justice done in a court or tribunal.

Article 9 No one shall be subject to arbitrary arrest, detention or exile.

Article 10 You have the right to a fair and public trial by an independent and impartial tribunal.

Article 11 Everyone is to be presumed innocent until proven guilty in a fair trial. No one should be charged with a criminal offence for an act which wasn't an offence at the time the act was done.

Article 12 Noone has the right to intrude in your private life or interfere with your home and family without good reason. No one has the right to attack your good name without reason.

Article 13 You have the right to freedom of movement within your country. Everyone has the right to leave a country and to return home.

Article 14 You have the right to seek and to enjoy asylum from persecution in other countries. You may not invoke this right if fleeing just laws in your own country.

Article 15 You have the right to a nationality.

Article 16 You have the right to marry and to raise a family. Men and women have the same rights when they are married and when they are separated.

Article 17 You have the right to own property and it cannot randomly be taken away from you.

Article 18 You have the right to freedom of thought, conscience and religion and to peacefully express those beliefs in teaching, practice and worship.

Article 19 You have the right to freedom of opinion and expression.

Article 20 You have the right to freedom of peaceful assembly and association.

Article 21 You have the right to take part in the government of your country.

Article 22 As a member of society, you have a right to social security.

Article 23 You have the right to work, to good working conditions, to equal pay for equal work and to form and join unions.

Article 24 You have the right to rest and leisure.

Article 25 You have the right to a decent life, including enough food, clothing, housing, medical care and social services.

Article 26 You have the right to an education.

Article 27 No one may stop you from participating in the cultural life of your community.

Article 28 You have the right to live in the kind of world where your rights and freedoms are respected.

Article 29 We all have a responsibility to the people around us and should protect their rights and freedoms.

Article 30 There is nothing in this declaration that justifies any person or country taking away the rights to which we are all entitled.

Human Rights Commission of Pakistan جہدِ حق Monthly **JEHD-E-HAQ**

Monthly JEHD-E-HAQ - September 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 9 ......ستمبر 2016..... قیمت 5 روپے

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582

ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org

پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

Monthly JEHD-E-HAQ - September 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 9 ......ستمبر 2016